سلسلہ دعوات عبدیت کے

حصہ اول کا نواں وعظ

ذم الہویٰ

منجملہ ارشادات

حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ عالم ربانی مولٰنا ومقتدانا حاجی
حافظ قاری شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی فاروقی چشتی حنفی قدس سرہٗ

بہ تصحیح

(محمد سراج الحق مچھلی شہری)

ناشر:- مکتبہ جامعی واخوانہ حسن منزل الٰہ آباد ۳

باہتمام عبدالمجید

اسرار کریمی پریس الٰہ آباد میں چھپا

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳	خطبہ ۔ تلاوت آیت ۔ ترجمہ ۔ تمہید وعظ ۔	۱۲	امرا کے یہاں اگر علما امر بالمعروف نہ کرسکیں تو نہ جائیں
۴	اکابر کو امر و نہی ضعفا کے لئے بدرجہ اولیٰ ہے	"	غصہ میں نفس کی تاویل ۔
"	مصلح کو لازم ہے کہ اہم مرض کا علاج مقدم جانے	۱۳	نفس برُے لوگوں کو اور طرح کی شرارتیں سمجھاتا ہے اور نیکوں کو اور طرح کی ۔
۵	ہم اکثر امور میں اتباع کرتے ہیں ہوی کی ۔	۱۴	یہ وسوسہ شیطانی ہے کہ تنخواہ لیکر پڑھانے میں خلوص نہیں ہوتا
۶	طالب حق کو ملامت و رسوائی میں مزہ آتا ہے ۔	۱۷	ذاکرین کا یہ خیال کہ وجد و محویت نہیں تو عمل بیکار ہے محض اتباعِ ہوا ہے ۔
۶	بخل وغیرہ رذائل صحیح جگہ ہوں تو اچھی چیزیں ہیں	۱۹	ہوی کی تین قسمیں متعلق علم کا نام بدعت ہے ۔
"	اتباع کے لئے صحیح معیار وحی ہے	"	شعبان کی بدعات ۔
۷	رسوم بے عقلی کی ناشی ہیں گو عقلا و علما پر مسلط ہیں ۔	۲۰	شب برات کے مسنون اعمال ۔
۸	حرام کو حلال کرنے کے حیلے کرنا ۔	۲۱	حلوے اور فاتحہ کے اعتقادات کھانیوالوں کی ایجاد ہیں
"	بعض حنفی اتباع ہوا میں شافعی بنجاتے ہیں ۔	"	دوسرے احکام تکوینیہ میں اتباع ہوا کو رائے کہتے ہیں
۹	فرائض و میراث میں اتباع ہوی	۲۲	تیسرے اعمال میں اتباع ہوا کو ہوا کہتے ہیں ۔
۱۰	جو عالم حریص دنیا ہو اس کا فتویٰ معتبر نہیں ۔	۲۴	خاتمہ ۔
"	امام غزالی کی تحصیل علم سے غرض ۔		
۱۱	ابو الحسن نوری کی حکایت ۔		

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعوات عبدیت حصہ اوّل

ذمّ الہویٰ

وعظ نمبر ۱

این	متی	کم	کیف	ماذا	من ضبط	المستمعون	اشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	سامعین کی تخمینی تعداد	متفرقات
جمعہ مسجد تھانہ بھون	شعبان ۱۳۲۹ھ		بیٹھ کر	علاج اتباع ہویٰ	مولوی عبداللہ صاحب گنگوہی		

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم **اما بعد** فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھویٰ فیضلک عن سبیل اللہ ان الذین یضلون عن سبیل اللہ لھم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب ٥ ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ اے داؤد (علیہ السلام) بیشک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے پس تم لوگوں کے درمیان حق کیساتھ فیصلہ کرو اور خواہش نفسانی کا اتباع مت کرو یہ تم کو اللہ کے راستہ سے بے راہ کر دیگی بیشک جو لوگ اللہ کی راہ سے گم ہوئے ہیں انکے لئے سخت عذاب ہوگا بسبب اسکے کہ وہ یوم حساب کو بھول گئے۔ اس آیت شریفہ میں ہر چند کہ خطاب داؤد علیہ السلام کو ہے لیکن مضمون عام ہے کچھ داؤد علیہ السلام کی تخصیص نہیں ہے بلکہ داؤد علیہ السلام کیطرف خطاب کرنیسے معنی میں اس مضمون کے اور زیادہ تقیم (تعمیم) ہو گئی اسلئے کہ جب بڑوں کو کسی امر کا خطاب کیا جاتا ہو اور انکو باوصف انکی عظمت کے اس پر وعید کیجاتی ہے تو چھوٹے بطریق اولیٰ مخاطب ہو جاتے ہیں۔ مثلاً طبیب اگر صحیح وقوی (تندرست و مضبوط) کو کہے کہ فلاں شے نہ کھاؤ تم کو مضر ہوگی تو مریض

ضعیف کو تو بطریق اولیٰ اس سے پرہیز کرنے کی ضرورت مفہوم ہوگی اسی طرح سے یہاں داؤد علیہ السلام
کو خطاب ہے، گویا مطلب یہ ہے کہ جب داؤد علیہ السلام باوجود نبی ہونیکے اس حکم کے مامور ہیں اور مضمون
بھی کوئی خصوصیات نبوت سے نہیں تو اوروں کو تو بطریق اولیٰ اس حکم کی پابندی کرنی چاہیئے اور
وہ حکم جو کہ داؤد علیہ السلام کو اس آیتہ شریف میں کیا گیا ہے اتباع ہویٰ سے نہی ہے اور اتباع ہویٰ
کی مذمت ہے یعنی اپنی جی چاہی بات پر عمل کرنا۔ اب ظاہر ہے کہ داؤد علیہ السلام پیغمبر ہیں اور پیغمبر بھی صاحب
کتاب کہ زبور شریف ان پر نازل ہوئی ہے اور انبیا علیہم السلام عموماً اور انمیں جو صاحب کتاب ہیں خصوصاً
انکے تمام ملکات محمود اور جذبات طاہر مطہر اور نفوس نہایت مہذب ہوتے ہیں جب باوجود اسکے ان کو
منع کیا جاتا ہے کہ تم اپنی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرنا حالانکہ انکا نفس بالکل مہذب ہے اگر
اس میں خواہش بھی ہوگی تو ظلمانی نہ ہوگی تو ہم تو جو کہ سر سے پاؤں تک گندہ در گندہ ہیں اگر خواہش
نفسانی کی پیروی کرینگے تو بالکل ہلاک ہی ہو جائیں گے اللھم احفظنا (الٰہی بچائے) اور آج اس مضمون
کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مضمون وہ قابل بیان ہوتا ہے کہ جس کی ضرورت ہو اور یوں تو
ہر وقت ہر حکم کی ہم کو ضرورت ہے لیکن ازمنہ اور حالات ناس (لوگوں) کے اختلاف سے بعض احکام دوسرے
بعض کے اعتبار سے زیادہ مہتم بالشان ہو جاتے ہیں جیسے اگر طبیب مریض کو غیر موسم انبہ میں
کہے کہ دیکھو ترش انبہ نہ کھانا تو یہ حکم یعنی انبہ ترش کی ممانعت طباً فی نفسہ ضروری ہے لیکن اسوقت اسکا
ممانعت کرنا بالکل امر زائد ہے اسوقت تو اس چیز سے منع کرنا چاہیئے جو موجود ہو اور مضر ہو اسی طرح
ناصح کا حق یہ ہے کہ جسوقت جو مرض پائے اسکی اصلاح کے متعلق بیان کرے اور اگر چند امراض ہوں تو
ان میں اہم کو مقدم کرے اور استیعاب کیساتھ احکام بیان کرنا اسوقت ہوگا جب کہ کوئی طالب علم
مخاطب ہو مثلاً ہدایہ میں پڑھتے پڑھتے (تفصیلی) کتاب الحج ماہ ربیع الثانی میں آئے تو یہ نہ کہا جاویگا کہ اسوقت
اسکی کیا ضرورت ہے اسکی ضرورت تو ماہ ذی الحجہ میں اور وہ بھی جبکہ کوئی حج کو جانے لگے اسوقت
ہوگی کیونکہ اسکا تو صاحب فن بننا مقصود ہے بخلاف وعظ کے کہ اس میں وقتی ضرورت پر نظر ہوتی
ہے اسلئے کہ مخاطبین کو جامع الفن اور محقق بننا مقصود نہیں بلکہ محض اصلاح مقصود ہے مجھ کو
ہمیشہ اسی قاعدہ کی وجہ سے اُن مضامین کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوا کرتا ہے جو اسوقت ضروری
ہوں سردست مجھ کو یہ خیال ہوا کہ منجملہ امراض کے کہ جن میں عام ابتلا ہے اتباع ہویٰ بھی ہے
جو اصل ہے تمام امراض کی کہ اس مرض میں عوام و خواص یعنی جہلا اور علما بلکہ اخص الخواص بھی یعنی
علماء میں جو اہل اللہ اور صاحب ارشاد ہیں سب ہی مبتلا ہیں اگر ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر

دیکھیں تو واللہ سچ عرض کرتا ہوں کہ اپنے اندر اتباع شریعت کا بہت کم حصہ پائینگے زیادہ تر اتباع ہوی ہی نظر آویگا کیونکہ جس امر میں ہم شریعت سے استدلال کرتے ہیں انہیں اصل محرک ہوا ہی ہے اتباع نہیں ہے اتباع شریعت کا محض حیلہ ہے اور یہ مرض عوام میں اور رنگ میں ظاہر ہوتا ہے اور علماء میں اور رنگ میں عوام میں جو دنیادار کہلاتے ہیں وہ تو کھلے مہار معاصی میں اتباع ہوی کا کرتے ہیں مگر جو اتقیا اور دیندار کہلاتے ہیں وہ دین میں اتباع ہوی کرتے ہیں اسکا یہ رنگ ہے کہ مثلاً مولوی صاحب سے کہتے ہیں کہ مولوی صاحب کوئی مسئلہ ایسا بھی ہو کہ جس میں یہ کام اس طرح ہو جاوے کیوں صاحب تم سے اپنی حالت کو قانون شرعی کے تابع نہیں بنایا جاتا قانون کو چاہتے ہو کہ تمہاری موافقت کرے اسکی کوشش ہوتی ہو کہ مولوی صاحب کوئی روایت ہمارے موافق کہیں سے نکالدیں کچھ دن ہوئے کہ ایک شخص آئے اور کہا کہ رضاعی بھائی بہن کا آپس میں نکاح ہو گیا ہے اور نکاح کے وقت علم نہ تھا بعد نکاح معلوم ہوا اب کیا کیا جاوے میں نے کہا کہ تفریق کرا دو یہ حکم سنکر وہ شخص سہم گیا اور کہنے لگا کہ صاحب اس میں تو بڑی بدنامی ہے افسوس صد افسوس کہ اللہ و رسول کے حکم کیساتھ مسلمان کی یہ حالت ہو اور فرمائش کی جاوے کہ ہمارے موافق مسئلہ بتلاوے میں نے ان سے کہا کہ بھائی اسمیں تو نیکنامی ہوگی کہ بڑے اچھے آدمی ہیں ایک غلطی ہو گئی تھی جب حقیقت پر اطلاع ہوئی حق کو اختیار کر لیا اور بدنامی تو اب ہو رہی ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ بھائی بہن دونوں جمع ہو رہے اور یہ جواب تو علی سبیل التبرع تھا ورنہ جواب حقیقی تو یہ تھا کہ بلا سے بدنامی ہو ہونے دو اگر ایسا ہی بدنامی کا خوف ہمارے بزرگوں کو ہوتا تو آج ہم مسلمان نہ ہوتے مگر ہمارے بزرگوں نے اسلام لانے میں کیسی کیسی مصیبتیں اور بدنامیاں اٹھائی ہیں کیونکہ جب کوئی مذہب باطل کو چھوڑتا ہو تو اہل باطل اسپر ایسی ہی ملامت کرتے ہیں جیسے حق کو چھوڑتے وقت اہل حق ملامت کرتے ہیں کیونکہ اہل باطل بھی اپنے گمان فاسد میں اپنے طریق کو حق اور محبوب سمجھتے ہیں ایک مرتبہ موضع سونتہ گیا وہاں ایک بوڑھے چمار کو دیکھا کہ بہت پاک صاف ستھرا رہتا ہو اور رات کو اٹھکر رام رام بھی کرتا ہو اور معلوم ہوا کہ اسکے اولاد وغیرہ بھی کچھ نہیں ہے میں نے اسکو کہلایا کہ مسلمان ہو جا اسنے کہا کہ میں اپنے لوگوں سے صلاح کرکے جواب دوں گا صلاح کرکے اسنے جواب دیا کہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ بڑھاپے میں کیوں ایمان کھوتا ہے سچ ہے ؎

گر از بسیط زمیں عقل منعدم گردد ۔۔۔ بخود گماں نبرد ہیچ کس کہ نادانم

(اگر بالفرض عقل دنیا سے غائب ہی ہو جائے کسی میں عقل نہ ہو تب بھی کوئی اپنے بیوقوف ہونے کا گمان نہ کریگا۔ مرتب)

تو میں نے اس سائل سے کہا کہ جناب اگر سب کے سب آپکے مذاق پر ہوتے اور حق کے اختیار کرنے میں بدنامی

سے ڈرتے تو اسوقت آپ بھی کافر ہوتے مسلمان کی تو یہ شان ہونی چاہئے ؂

نسازد عشق را کنج سلامت　　خوشا رسوائی کوئے ملامت

(عشق کو عافیت سلامتی گوارا نہیں۔ کوچۂ ملامت میں رسوا ہونا اسکے لئے خوشگوار ہے۔ مرتب)

بلکہ طالب حق کو تو ملامت میں اور زیادہ مزہ آتا ہے اور ملامت میں ایک عجیب نکتہ بھی ہے وہ یہ کہ اس سے دین میں پختگی ہو جاتی ہے جب تک ملامت نہو خامی رہتی ہے وجہ یہ کہ جب چاروں طرف سے ملامت کی بوچھار پڑنے لگتی ہے تو اسکو طبعاً چڑ ہو جاتی ہے اور اپنے فعل پر اصرار پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے اس کام میں اور پختہ ہو جاتا ہے مثلاً ایک شخص نے شادی میں کوئی رسم نہیں کی اس پر اسکو لوگوں نے ملامت شروع کی تو یہ شخص ترک رسوم میں اور زیادہ پختہ ہو جائیگا یہاں سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے کوئی شے بے حکمت پیدا نہیں فرمائی خواہ وہ شے آفاقی ہو یا انفسی مثلاً چڑ کہ بظاہر موذی اور مضر معلوم ہوتی ہے مگر اسمیں یہ نفع نکلا کہ اس سے دین کو پختگی ہو سکتی ہے اسیطرح جسقدر خواص طبعی ہیں سب نافع ہیں ہمارے حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ بخل و جبن بھی مطلقاً بُری خصلتیں نہیں بلکہ کبھی اچھی بھی ہیں جب کہ اچھے مصرف میں صرف کریں مثلاً ایک سائل آیا کہ مجھ کو سو روپیہ دیدیجئے شادی میں ناچ کراؤنگا سو یہاں بخل ہی بہتر ہے اسی طرح غصہ پہلے مسلمانوں پر آیا کرتا تھا بعد اصلاح کے اپنے نفس پر اور شیطان پر اور اعداء اللہ پر غصہ آنے لگا پس محل بدلگیا اور تزکیہ کے بعد اخلاق بدلتے نہیں بلکہ اخلاق طبعیہ بحالہا باقی رہتے ہیں صرف انکا محل بدلجاتا ہے اسیطرح انسان کے اندر ایک چیز چڑ بھی ہے کہ وہ بھی نافع ہے اگر اپنے محل میں ہو جیسا مثال مذکور میں بیان ہوا۔ ہاں اگر اسکا مصرف بھی برا ہو تو یہ چڑ دوزخ میں لیجانیوالی ہے کفار عرب کو چڑ ہی تو ہو گئی تھی حالانکہ حق انکو واضح ہو گیا تھا چنانچہ ایک شخص نے (ابو طالب (مرتب)) خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ میں ایمان تو لے آتا لیکن قریش کی بڑھیاں کہیں گی کہ دوزخ سے ڈر گیا بہادری میں فرق آجائیگا چنانچہ اسی حال میں مرگیا آپ کو بہت رنج ہوا اس پر آیت نازل ہوئی کہ انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ جسکو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے لیکن اللہ جسکو چاہے ہدایت کرتا ہے تو چڑ ایسی بری ہے ورنہ حق پر ملامت ہونے سے چڑ بڑھ جائے تو خیر ہے بہر حال اللہ کے بندوں نے ملامت سر پر لی اور حق کو اتباع ہوی پر ترجیح دی غرض اتباع ہوی کا سخت مذموم ہونا ثابت ہو گیا اب یہ بات رہی کہ اتباع کیلئے کوئی معیار ہونا چاہئے سو وہ معیار بجز وحی کے اور کچھ نہیں اسلئے کہ طبیعت تو کافی نہیں جیسا ابھی واضح ہوا کہ خواہش نفسانی انبیاء کی بھی انکے لئے متبوع نہیں رہی عقل سو ظاہر ہے کہ عقول میں خود اختلاف ہے تو آخر کس کی عقل کو ترجیح دیجاوے اگر عام کی عقل کو چھوڑ کر حکماء کی عقل کو لیا جاوے تو خود ان میں بھی اختلاف ہے پھر کسکو لیا جاوے اور دوسرے یہ کہ

خود عقل پر اکثر تسلط ہو جاتا ہی طبیعت اور رسوم کا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر اوقات رسم و رواج کے غلبہ سے عقلا بلکہ بڑے بڑے علما بھی بیوقوفی کے کام کرنے لگتے ہیں مثلاً جب بیاہ لکھا آتا ہی تو نائی کے سامنے شکرانہ بنا کر رکھا جاتا ہی اور کھانے کے بعد جوڑہ کیساتھ اسکے سامنے سَو روپیہ خوان میں ڈالتے ہیں اور وہ اسمیں سے ایک دو اٹھالیتا ہی باقی پھیر دیتا ہی سب جانتے ہیں کہ واقع میں اسکو اتنی بڑی رقم دینا منظور نہیں مگر پھر بھی اسکے سامنے یہ سَو روپئے معلوم کس غرض سے رکھے جاتے ہیں اسمیں تو ریا بھی نہیں اسلئے کہ ریا تو دوسرے کے دکھاوے کو کہتے ہیں یہاں وہ بھی نہیں اسلئے کہ یہ سب جانتے ہیں کہ دینا منظور نہیں ہی یہ تو نرا لڑکوں کا کھیل اور محض لغو بیہودہ حرکت ہی مگر بڑے بڑے عقلا جو دوسروں کو عقل سکھاتے ہیں وہ بھی اسمیں مبتلا ہیں اس سے معلوم ہوا کہ عقول پر بھی رسوم غالب ہو جاتی ہیں پس ہماری عقل بھی معیار نہیں بن سکتی اور وحی ان سب شوائب سے منزہ ہی پس ثابت ہو گیا کہ لائق اتباع کے صرف وحی ہی لیکن اس شرط سے کہ خود وحی میں اپنی ہوائے نفسانی سے کچھ تصرف یا تغیر نہ کر لیا ہو جیسا آجکل اکثر اہل علم اور غیر اہل علم قصداً تو اتباع کرتے ہیں ہوائے نفسانی کا اور وحی کو صرف آڑ بنا لیتے ہیں سو یہ کتنا بڑا حیلہ و فریب ہے اس سے صرف اتنا تو نفع ہو جاتا ہی کہ خلق کے اعتراض سے بچ جاتے ہیں مگر خالق تعالیٰ شانہ تو ظاہر اور باطن کا جاننے والا ہی اس سے کیسے بچیں گے ؎

خلق را گیرم کہ بفریبی تمام | در غلط اندازی تا ہر خاص و عام
کارہا با خلق آری جملہ راست | با خدا تزویر و حیلہ کے رواست
کارہا او راست باید داشتن | رایت اخلاص و صدق افراشتن

(میں نے مانا کہ تم ساری دنیا کو دھوکا دے لوگے ہر خاص و عام کو غلطی میں ڈالدوگے۔ دنیا والوں سے سارے کام ٹھیک کر لوگے لیکن خدا کیساتھ جھوٹے بہلانے تو نہ چل سکیں گے اسکے ساتھ تو سارے کام ٹھیک ہی رکھنا چاہئے اور سچائی اور خلوص کا جھنڈا اسکے سامنے اٹھانا چاہئے۔ مرتب)

خدا تعالیٰ کیساتھ فریب کرنا نہ چاہئے اور نیک نامی اور بدنامی کو بالائے طاق رکھ کر سچا اتباع کرنا چاہئے ؎

عاشق بدنام کو پرواے ننگ و نام کیا | اور جو خود ناکام ہو اسکو کسی سے کام کیا

اور عاشق کو جو ناکام اور بے مراد کہدیا ہمارے حضرت اسکی تفسیر فرماتے تھے کہ بے مرادی عشق کو کہتے ہیں کیونکہ عاشق کا خاصہ ہی کہ وصل کے جس مرتبہ پر پہونچے اسکو آگے کی ہوس ہوتی ہی اور اشتیاق بڑھتا ہی ہاں جسکے محبوب کا جمال متناہی ہو اسکی مرادیں ختم ہو سکتی ہیں اور جہاں جمال غیر متناہی ہو وہاں نہ حسن ختم نہ طلب ختم بلکہ جوں جوں آگے بڑھتا ہی اشتیاق اور زیادہ ہوتا جاتا ہی اور وہ حالت ہوتی ہی جس کو شیخ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

دلارام در بر دلارام جو | لب از تشنگی خشک بر طرف جو
نگویم کہ بر آب قادر نیند | کہ بر ساحل نیل مستسقی اند

(محبوب بغل میں مگر محبوب کو تلاش کر رہے ہیں گویا دریا کے کنارے کھڑے ہیں اور پیاسے ہیں۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ پانی کو وہ پا نہیں سکے۔ مگر حال یہی ہے کہ

دریائے نیل کے کنارے رہکر بھی پانی پانی کر رہے ہیں۔مرتب)

غرض ناکام کو بدنامی سے کیا ڈر حافظ صاحب فرماتے ہیں ؎ گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں ٭ مانمی خواہیم ننگ و نام را۔ جو بدنامی سے ڈرے وہ عاشق نہیں ہوسکتا۔ ہر آجکل یہ کیفیت ہے کہ دین پر بھی عمل اسوقت کریں گے کہ جب وہ حکم اپنی خواہش کے خلاف نہو اور نہ اسمیں کچھ خرچ ہو اور نہ کسی مصلحت دنیوی کے خلاف ہو اور اسپر پھر دعویٰ دینداری کا

وجائزۃ دعوی المحبۃ فی الھوی ولکن لا یخفی کلام المنافق

(محبت میں عشق کا دم بھرنا جائز تو ہے مگر منافق کا کلام چھپ نہیں سکتا۔مرتب)

چنانچہ ان سائل صاحب نے فرمایا کہ کوئی ایسا مسئلہ نکال دو کہ جسمیں یہ عورت حلال ہو جائے میں نے کہا کہ دیوانہ ہوئے ہو میں کون حلال کرنے والا ہوں اور اگر کہہ بھی دیا تو اس سے حلال تو نہیں ہو جاویگی جب تک شرعی دلیل سے حلال نہو مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور سوال کیا کہ فلاں مرد عورت کی آپسمیں یہ قرابت ہے انمیں نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں حضرت نے فرمایا نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ہم نے تو کیا تھا ہو گیا تھا تو ہونیکا مطلب سمجھے کہ زبان سے الفاظ نہیں نکل سکتے ہونگے اسیواسطے فرماتے ہیں کہ ہم نے کیا تھا اور ہو گیا تھا یعنی منہ بند نہیں ہو گیا تھا۔ اسیطرح یہ سائل صاحب بھی اس رضاعی بھائی بہن کو حلال کرانا چاہتے تھے جب ان سائل صاحب نے مجھ سے صاف جواب سنا تو تاویل کی فکر ہوئی کہ کوئی تاویل کرنی چاہئے تو فرمانے لگے کہ اس لڑکے نے دودھ پیا تو تھا مگر تھوڑا سا پیا تھا وہ عقلمند یہ سمجھے کہ بہت سا پینے سے حرمت ہوتی ہوگی تھوڑا سا پینے میں کیا حرج ہے میں نے کہا کہ جناب ایک قطرہ پینے میں بھی حرمت ہو جاوے گی اسپر فرمانے لگے کہ جی جو کچھ پیا تھا وہ بھی قے ہو گیا تھا اندر نہیں رہا وہ یہ سمجھا کہ بس دودھ کیساتھ حرمت بھی نکل پڑی میں نے کہا کہ بھائی حلق کے نیچے اترتے ہی حرمت ثابت ہو گئی اور ثبوت کے بعد اسکا سقوط نہیں ہوتا اسپر وہ ناامید ہوکر چلے گئے اور دہلی پہنچے اہل حدیث سے جاکر رجوع کیا تو اہل حدیث اور نیز شافعیؒ کا مذہب ہے کہ پانچ گھونٹ سے کم میں حرمت نہیں ہوتی یہ مسئلہ سنکر ان سائل صاحب نے ایک سوال اسی قید کیساتھ تیار کیا کہ ایک لڑکے نے پانچ گھونٹ سے کم دودھ پیا ہے آیا حرمت رضاعت ثابت ہوئی یا نہیں انکیلئے کسی نے جواب لکھدیا کہ اس صورت میں حرمت رضاعت ثابت نہوگی بس آپ راضی رضا آگئے اور بہن بھائی کو اسی حالت پر ہنسی خوشی جمع رکھا دیکھئے اس مسئلہ میں ان سائل صاحب نے کسقدر اپنے نفس کی پیروی کی ہے جیسا اسکے مکالمہ مفصلہ سے ثابت ہوتا ہے پھر یہ بھی امید نہیں کہ موافق مذہب شافعیؒ کے یہ نکاح جائز ہوا ہو اسلئے کہ بچے کے دودھ پینے کے وقت جب ان امور کی اطلاع بھی نہ تھی تو کس نے گنا تھا کہ اس نے پانچ گھونٹ پئے ہیں یا کم دوسرے یہ کہ یہ شخص حنفی تھا اور پہلے سے اسکا یہ عقیدہ نہ تھا جسپر عمل کیا اگر پہلے سے شافعی ہوتے تو اس فتوی پر عمل کرنا مضائقہ نہ تھا یا اس ابتلا و رضاع سے پہلے اپنی تحقیق یا کسی کی تقلید سے اس مسلک کی ترجیح ثابت ہو جاتی تب بھی مضائقہ نہ تھا۔ اب تو کھلا اتباع ہوی کیا اسی طرح ہم

فرائض میں دیکھتے ہیں کہ اگر اپنے آپ کو ملتا ہوا دیکھتے ہیں تو فرائض نکلواتے ہیں اور بعضے تو پہلے ہی پوچھ لیتے ہیں کہ ہمارا بھی کچھ حصہ ہے یا نہیں اگر کچھ حصہ ہوا تو مسئلہ نکلواتے ہیں اور اگر نہوا تو چل دیتے ہیں اور بعضے اس امید پر مسئلہ نکلوا لیتے ہیں مگر جب انکو مسئلہ نکالکر سنایا جاتا ہے اور وہ دیکھتے ہیں کہ ہمارا اسمیں کچھ نہیں ہے تو بہت بددل ہوتے ہیں اور بعض اوقات فرائض بھی مفتی ہی کے پاس چھوڑ کر چل دیتے ہیں یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ نکالنے والے کا جی برا ہوگا اسکی خاطر ہی سے لیجادیں ایک شخص میرے پاس ایک فرائض لائے اور پوچھا کہ میرا کتنا حصہ ہے میں نے بتلادیا کہ اسقدر ہے انکو وہ بہت کم معلوم ہوا کہنے لگے کہ میرا حصہ کیوں گھٹ گیا میں نے کہا کہ فلاں وارث کیوجہ سے کم ہوگیا اگر وہ نہ ہوتا تو تم کو زیادہ ملتا تو کہنے لگے جناب پھر اسکو نہ لکھئے اور اکثر فرائض وہی پوچھتا ہے جسکے قبضہ میں کچھ نہوا ور قبضہ چاہتا ہو اور جو قابض ہوتا ہے وہ کبھی فرائض نہیں نکلواتا کیونکہ جانتا ہے کہ تقسیم کرنی پڑیگی اور قبضہ سے شئے نکل جاویگی غرض لینے کیلئے فرائض نکلواتے ہیں دینے کیلئے کوئی نہیں نکلواتا الا ماشاءاللہ تمام عمر میں ایک شخص ایسے آئے کہ بڑے رئیس تھے اور تمام ریاست پر قابض تھے انھوں نے فرائض نکلوائے تھے تاکہ جائداد موافق شرع شریف تقسیم کردیں گڑگانوہ کے رہنے والے تھے کئی بار آئے اور گئے جو ضروری بات اس میں کوئی رہ جاتی تھی اسکے دریافت کرنے کیلئے مکرر سہ کرر آتے اور جاتے اور انکے سوا جو آتا ہے ایسا ہی آتا ہے جو لینا چاہتا ہے اور دینا نہیں چاہتا۔ ایک بار ایک ایسے ہی شخص آئے اور انھوں نے مسئلہ پوچھا کہ ہماری بہن بے اولاد مرگئی اور خاوند اسکا شیعی ہے آیا اسکے خاوند کو بھی عورت کے ترکہ میں سے کچھ ملیگا میں نے جواب دیا کہ کیوں نہیں ملیگا نصف ترکہ اسکا ہے تو وہ بھائی یہ چاہتے تھے کہ خاوند کو نہ ملے مال بہت تھا اور انھوں نے کہیں سنا تھا کہ شیعہ پر کفر کا فتویٰ ہے تو اسلئے چاہتے تھے کہ اس تاویل سے اسکے خاوند کو کچھ نہ ملے سب مال ہمارے قبضہ میں آوے کہنے لگے سنیہ کا تو شیعی سے بوجہ کفر شیعی کے نکاح نہیں ہوتا پھر وہ شوہر کب ہے میں نے کہا تمکو کچھ خدا کا خوف بھی ہے کہ دوسرے کا حق رکھنا چاہتے ہو اور اگر خوف نہیں تو اچھا حمیت اور غیرت کہاں اڑگئی کہ تھوڑی سی دنیا کیلئے یہ ثابت کرنا چاہتے ہو کہ تمھاری بہن تمام عمر حرامکاری میں مبتلا رہی اور دوسرے یہ تو بتلائیے کہ آپنے نکاح کیوقت کیوں نہ پوچھا کہ یہ خاوند شیعی ہے اسکے نکاح جائز ہے یا نہیں اور تیسرے یہ کہ سچ سچ کہنا اگر یہ مال خاوند کے قبضہ میں ہوتا اور وہ مرتا اور تمھاری بہن کو ملنے کے بعد پھر تمھاری طرف منتقل ہونیکا احتمال ہوتا تو کیا اسوقت بھی تم اس نکاح کے صحیح نہونے کی کوشش کرتے میرے پاس کثرت سے ایسے سوال آتے ہیں کہ کوئی بات نکال دو چنانچہ ابھی ایک مسئلہ آیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں اسکی درخواست تھی کہ کوئی ایسی صورت نکالدو کہ حلالہ نہ کرنا پڑے۔ یہ تو عوام الناس کی کیفیت ہے جو بیان ہوئی کہ ہر امر میں اتباع ہوا کرتے ہیں حتیٰ کہ مسائل شریعت میں بھی علماء سے فرمائش کرتے ہیں کہ ہماری مرضی کے موافق فتویٰ دیدیں رہے علماء ان کو. تو کسی سے کہنے سننے کی ضرورت ہی نہیں ہدایہ شرح وقایہ درمختار

انکے سامنے ہی جسطرح چاہیں عمل کریں اور میں سب علماء کو نہیں کہتا بلکہ صرف انکو جو حُبِّ جاہ و مال میں مبتلا ہیں سو ایسے عالم کا فتویٰ بھی معتبر نہیں جو دنیا کا حریص اور محب ہوا ور ہمیشہ گمراہی ایسے ہی لوگوں نے پھیلی ہے

بدگہر را علم وفن آموختن ۔۔۔ دادن تیغ ست دست راہزن

(کمینہ کو علم و ہنر سکھانا ایسا ہے جیسا ڈاکو کو تلوار دیدینا۔ مرتب)

پہلے زمانہ میں جو رسم تھی کہ ہر ایک شخص کو مقتدا و عالم بننے کی اجازت نہیں تھی اسمیں بڑی مصلحت تھی مگر اسمیں اتنی کمی تھی کہ انتخاب غلط تھا خاص خاص قوموں کا انتخاب کر رکھا تھا کہ ان ہی کو علم دین پڑھنے کی اجازت تھی البتہ انتخاب کا معیار یہ ہونا چاہیئے کہ اساتذہ طلبہ کے زمانہ تحصیل میں اسکا اندازہ کیا کریں کہ کس شخص میں حرص دنیا کی غالب ہے اور کس شخص میں نہیں ہے جسمیں حرص دنیا کی غالب دیکھیں اسکو رخصت کریں اور مدرسہ سے خارج کریں اور جسمیں حب دنیا نہو اسکو مقتدی دین بنائیں۔ بغداد میں ایک مدرسہ نظامیہ تھا کہ جس سے بڑے بڑے علماء جیسے امام غزالی اور شیخ سعدی پڑھکر نکلے اور وجہ اس مدرسہ کے بناء کی یہ ہوئی تھی کہ اس زمانہ میں قضاء اور افتاء اور دیگر بڑے بڑے عہدے علماء ہی کو دیئے جاتے تھے تو جسکا باپ مثلاً قاضی ہوتا تھا وہ کوشش کرتا تھا اور دعویٰ استحقاق قضا کا کرتا تھا خواہ وہ اہل ہو یا نہو تو سلطان وقت نے بمشورہ وزراء و ارکان دولت اسلئے یہ مدرسہ بناء کیا کہ جو اس مدرسہ میں کامیابی حاصل کریگے اسکو یہ عہدے دیئے جاوینگے تاکہ نا اہلوں کو اور جہلاء کو حوصلہ ایسے عہدوں کی درخواست کا نہو تو جس روز اس مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی اس روز علماء بخارا میں ماتم ہوا تھا کہ آج کی تاریخ سے علم دین دنیا کیلئے پڑھا جائیگا لیکن تاہم ایسے بڑے علماء اسمیں سے پڑھکر نکلے کہ فخر علماء ہوئے اور جنکا نظیر اسوقت روے زمین پر نہیں ایک روز بادشاہ اس مدرسہ کے دیکھنے کیلئے تشریف لائے اور مخفی طور سے طلبہ کے خیالات کی آزمائش کی کہ دیکھیں علم پڑھنے سے انکی کیا غرض ہے چنانچہ ایک طالب علم سے پوچھا کہ آپ کس لئے پڑھتے ہیں اُسنے کہا کہ میں اسلئے پڑھتا ہوں کہ میرا باپ قاضی ہے بس اگر عالم بنجاونگا تو میں بھی قاضی ہوجاؤنگا اسکے بعد دوسرے سے پوچھا اُسنے کہا کہ میرا باپ مفتی ہے میں مفتی بننے کیلئے پڑھتا ہوں غرض جس سے پوچھا اُسنے کوئی غرض دنیا ہی کی بتلائی بادشاہ کو بہت غصہ آیا کہ افسوس ہے کہ علم دین دنیا کیلئے پڑھا جارہا ہے اور ہزاروں روپیہ مفت میں برباد ہورہا ہے۔ ایک گوشہ میں امام غزالی بھی خستگی کیحالت میں بیٹھے کتاب دیکھ رہے تھے اسوقت تک یہ طالب علم تھے نہ کوئی جانتا تھا نہ شہرت تھی ان سے دریافت کیا کہ تم کیوں پڑھتے ہو انھوں نے جواب دیا کہ میں نے دلائل عقلیہ و نقلیہ سے معلوم کیا ہے کہ ہمارا ایک مالک حقیقی ہے جو سمٰوٰت و ارض کا مالک ہے اور مالک کی اطاعت ضروری ہوتی ہے کہ اسکی مرضیات پر عمل کرے اور نامرضیات سے بچے سو میں اسلئے پڑھتا ہوں کہ اسکی مرضیات و نامرضیات کی اطلاع حاصل ہو بادشاہ سنکر خوش ہوئے اور ظاہر کردیا کہ میں بادشاہ ہوں اور کہا کہ میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ اس مدرسہ کو توڑدوں مگر تمہاری وجہ سے یہ مدرسہ رہ گیا پس تحصیل علم اس غرض سے

ہونی چاہیئے جو امام غزالی نے ظاہر کی اور جسکی غرض تحصیل دنیا اور باعث حب دنیا ہوگا اسکے علم سے کچھ نفع نہوگا اور حب دنیا کا امتحان سلف سے منقول ہے کہ اس زمانہ میں اساتذہ اسکا خیال رکھتے تھے کہ طلبا میں کون ایسا ہے کہ جو امرار کیطرف راغب ہے اور کون نہیں ہے جو امرا کیطرف راغب ہوتا تھا اسکو اپنے حلقہ میں آنیسے روک دیتے تھے کیونکہ امرا کے پاس سوائے دنیا کے کیا ہے جو امرا سے مانوس ہوگا معلوم ہوتا ہے کہ طالب دنیا ہے چنانچہ امرار کے دربار میں جو علما رہوتے ہیں وہ انکی ہاں میں ہاں ملایا کرتے ہیں خواہ حق ہو یا ناحق ہو ہاں جو عالم حق گو ہو اور مغلوب نہوتا ہو وہ اگر امرار کے یہاں جاوے اور حق بات کہے وہ مجاہدہ ہے۔ ایک شخص ایک بزرگ کی ملاقات کیلئے سفر کرکے گئے وہاں جاکر معلوم ہوا کہ وہ بزرگ بادشاہ کی ملاقات کیواسطے گئے ہیں یہ شخص بہت نادم ہوئے اور پچھتائے کہ بزرگ سنکر آئے تھے یہ تو دنیا دار نکلے اور وہاں سے واپس ہوکر جارہے تھے اس بادشاہ کے لوگوں نے انکو جاسوس سمجھکر پکڑ لیا اور بادشاہ کے دربار میں حاضر کردیا وہ بزرگ اسوقت وہاں تشریف رکھتے تھے انھوں نے بادشاہ سے فرمایا کہ یہ جاسوس نہیں ہے ہمارا مہمان ہے یہ چھوڑ دیئے گئے وہ بزرگ بھی وہاں سے چلے اور اس شخص سے کہا کہ میں اسلئے بادشاہ کے یہاں آیا کرتا ہوں مگر ایسے فیصدی ایک بھی نہیں ہماری اور امرا کی مثال تو چھری اور خربوزہ کی سی ہے خربوزہ کی سلامتی چھری سے الگ ہی رہنے میں ہے خواہ خود انکے پاس جاؤ یا وہ تمہارے پاس آویں اور تم انکے آنے سے متاثر ہو امرار سے ملنا اور ثابت قدم رہنا بڑے قوی آدمی کا کام ہے جس کی شان حضرت ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کی سی ہو انکی حکایت ہے کہ ایک بار ایک موقع پر چلے جارہے تھے چلتے چلتے دجلہ کے کنارے پہونچے دیکھا کہ شراب کے مٹکے کشتیوں سے اتر رہے ہیں پوچھا کہ انمیں کیا ہے کشتی والے نے کہا کہ شراب ہے خلیفہ وقت معتضد باللہ کیلئے آئی ہے اور وہ دس مٹکے تھے شیخ کو غصہ آیا اور کشتی والے کی لکڑی مانگ کر انھوں نے نو مٹکے یکے بعد دیگرے توڑ ڈالے اور ایک مٹکا چھوڑ دیا چونکہ یہ شراب خلیفہ کیلئے لائی گئی تھی اسلئے انکا براہ راست خلیفہ کے ہاں چالان کردیا گیا معتضد نہایت ہیبتناک صورت میں بیٹھ کر اجلاس کیا کرتا تھا لوہے کی ٹوپی اوڑھتا تھا اور لوہے کی زرہ اور لوہے کا گرز ہاتھ میں ہوتا تھا اور لوہے کی کرسی پر بیٹھتا تھا معتضد نے نہایت کڑک کر ہولناک آواز سے پوچھا کہ تمنے یہ کیا کیا حضرت شیخ نے فرمایا کہ جو کچھ میں نے کیا ہے آپ کو بھی معلوم ہے دریافت کرنیکی ضرورت نہیں ورنہ میں یہانتک نہ لایا جاتا معتضد یہ جواب سنکر برہم ہوا اور پوچھا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی کیا تم محتسب ہو شیخ نے فرمایا کہ ہاں محتسب ہوں خلیفہ نے پوچھا کہ تم کو کس نے محتسب بنایا ہے فرمایا کہ جس نے تجھ کو خلیفہ بنایا ہے خلیفہ نے پوچھا کہ کوئی دلیل ہے فرمایا کہ یابنی اقم الصلوٰۃ وامر بالمعروف وانہ عن المنکر واصبر علی ما اصابکؑ (اے پیارے بیٹے نماز کی پابندی کیا کر نیک کام کا دوسروں کو حکم دیا کر برائیوں سے سب کو روکا کر اور اس میں تجھے جو تکلیف پہونچے اسے سہہ لیا کر) معتضد یہ بیباکی کی باتیں سنکر متاثر ہوا اور کہا کہ ہم نے تم کو آج سے محتسب بنایا مگر ایک بات بتاؤ کہ ایک مٹکہ تمنے کیوں چھوڑ دیا

کوتوال

فرمایا کہ جب میں نے نو مٹکے توڑ ڈالے تو نفس میں خیال آیا کہ اے ابو الحسن تو نے بڑی ہمت کا کام کیا کہ خلیفہ وقت سے بھی نہ ڈرا میں نے اسیوقت ہاتھ روک لیا کیونکہ اس سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کیلئے توڑے تھے اگر اب توڑونگا تو وہ نفس کیلئے ہوگا اسلئے دسواں مٹکا چھوڑ دیا ایسی ہی حکایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لکھی ہے کہ آپ ایک کافر کے قتل کرنیکے واسطے اسکے سینہ پر چڑھ بیٹھے اُسنے آپکے چہرۂ مبارک پر تھوک دیا آپ فوراً اُتر پڑے اور اسکو چھوڑ دیا اُسنے پوچھا کہ آپ باوجود اسکے کہ مجھ پر غالب ہوگئے تھے اور میں پوری طرح آپکے قبضہ میں آگیا تھا پھر گستاخی بھی سخت کی باوجود مقتضیات کے پھر کیا وجہ پیش آئی کہ الگ ہوگئے اور قتل نہیں کیا فرمایا کہ تیرے تھوکنے سے پہلے تو میری نیت اللہ کیواسطے تجھ کو مارنے کی تھی اور جب تو نے تھوکا تو غصہ آگیا اور نفس نے کہا کہ جلدی اس گستاخ کا کام تمام کردو تو اب نفس کی آمیزش ہوگئی اگر قتل کرتا تو خالص اللہ تعالیٰ کیلئے نہوتا اسلئے میں نے چھوڑ دیا وہ یہ دیکھکر مسلمان ہوگیا۔ یہ حکایت خلوص کی مناسبت سے بیان کی گئی اصل قصہ حضرت شیخ ابو الحسن نوری کی حق گوئی کا بیان کیا گیا تھا حاصل یہ کہ اگر علماء امراء کے پاس جاکر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرسکیں تو خیر انسے ملنے کا ڈر نہیں اور اگر انکی ہاں میں ہاں ملانا پڑے اور حق گوئی نہ کرسکے تو اجتناب ہی بہتر ہے حدیث میں ہے العلماءُ امناءُ الدین مالم یخالطوا الامراء فاذا خالطوا الامراء فھم لصوص الدین یعنی علماء دین کے امانتدار ہیں جبتک کہ امراء وحکام سے میل جول نہ کریں اور جب امراء وحکام سے میل جول کرنے لگیں تو وہ دین کے رہزن ہیں چنانچہ تھوڑے دنوں کا قصہ ہے کہ ایک عورت کی ایک مرد سے آشنائی تھی اور چاہتی تھی کہ کسیطرح خاوند سے چھوٹ کر آشنا سے نکاح ہو جاوے ایک ایسے ہی مولوی صاحب نے جو دین کے رہزن تھے اسکو ترکیب سکھائی تو کافر ہوجا نکاح ٹوٹ جاویگا پھر توبہ کرکے دوسرے سے نکاح کرلینا نعوذ باللہ ایسے ہی ظالموں نے علماء کو بدنام کیا ہے غرض اہل علم میں یہ مرض اس رنگ سے ظاہر ہو رہا ہے اور جو اہل علم میں اخص الخواص ہیں ان میں بھی یہی مرض موجود ہے گو وہ نہ مال کے طالب ہیں اور نہ جاہ انکو مطلوب ہے مگر انمیں بھی ایک دھبہ اتباع ہوئی کا موجود ہے مثلاً کسی کیساتھ سختی کی اور اسکو بُرا بھلا کہا تو نفس یہ تاویل کرتا ہے کہ سختی سے اصلاح ہوتی ہے اسلئے تمپر کچھ مواخذہ نہیں تمہاری نیت اسمیں اچھی ہے لیکن یہ تاویل اسوقت صحیح ہوسکتی ہے کہ جسوقت سختی کی تھی اس سے پہلے یہ بات ذہن میں ہوتی اور یہی محرک تشدد کا ہوتی ہے اسوقت تو بجز غیظ کے کچھ بھی دلمیں نہ تھا اب فرصت میں تاویلیں گڑھتے ہیں اور دھبہ دھونے کیلئے بعض مرتبہ زبان سے بھی کہتے ہیں کہ کیا کہیں بڑی سختی ہوگئی یہ اسلئے کہ معتقدین و متبعین کے دل میں شبہ نہ رہے اور یہ سمجھیں کہ حضرت بڑے متواضع ہیں اور بڑے صاف ہیں خود اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہیں پھر اسپر معتقدین بناتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ آپ جو کچھ کرتے ہیں ہماری ہی اصلاح کیواسطے آپ کی اسمیں کیا غرض ہے کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ کہتا ہے غرض ایسے معتقدین اسکے دماغ اور زیادہ

خراب کردیتے ہیں، مولانا فرماتے ہیں ؎

تن قفس شکل ست اما خار جاں | از فریب داخلاں وخارجاں
اینش گوید نے منم ہمراز تو | آنش گوید نے منم انباز تو
او چو بیند خلق را سرمست خویش | از تکبر میرود از دست خویش

(بدن پنجرہ کیطرح ہے لیکن کچھ اندرونی چیزوں (نفس) کیوجہ سے اور کچھ بیرونی چیزوں (بہکانے والے انسانوں اور جنات کیوجہ سے یہ بدن روح کیلئے کانٹا اور مصیبت ہے، ایک (نفس) کہتا ہے کہ کیا میں تیرا دلی دوست نہیں ہوں دوسرا (شریر انسان وجن) کہتا ہے کہ کیا میں تمہارا ساتھی نہیں ہوں میرا کہنا مانو اب آدمی جب دوسروں کو اسطرح اپنا ہمخیال دیکھتا ہے تو غرور میں بھول کر آپے میں نہیں سماتا بسراج) ایسے لوگوں کو یہی چاہیئے کہ کام کرنے سے پہلے غور کرکے دیکھا کریں کہ ہم جو کچھ کررہے ہیں اسمیں خواہش نفسانی کسقدر ہے اور اتباع شریعت کسقدر، خواہش نفسانی کا حصہ ترک کردینا چاہیئے ایک مثال اور لیجئے مثلاً ایک امیر آیا اور اسکی تعظیم وتکریم کیگئی اب بعض کا نفس کہتا ہے کہ اس میں دنیوی غرض نہیں ہے بلکہ شرعًا بھی اسکے ساتھ ایسا ہی برتاؤ مناسب ہے، اگر ایسا نہ کیا جاوے تو اسکی دلشکنی ہوگی اور حدیث میں آیا ہے اذا جاءکم کریم قوم فاکرموہ (جب تمہارے پاس کسی جماعت کا چودھری۔ رئیس۔ ذی عزت آدمی آوے تو تم بھی اسکی عزت کرو) درحقیقت یہ سب مقدمات فی نفسہا بالکل صحیح ہیں لیکن گفتگو اسمیں ہے کہ آیا ہمنے جو اسکی تعظیم کی ہے کیا اسی مصلحت سے کی ہے یا اور کوئی وجہ ہے تو غور کرکے جو دیکھا جاتا ہے تو یہ وجہ ہرگز محرک نہیں ہوتی یہ تو نکتہ بعد الوقوع کے طور پر تصنیفی وجہ ہے اصل وجہ وہی اہل دنیا کی خوشامد یا توقع نفع ہے غرض یہ کہ نفس میں اکثر کے شرارتیں ہی ہیں مگر بدمعاشوں میں اور طرح کی ہیں اور نیک بختوں میں نیک بختی کے رنگ میں ہیں اور علماء اور طلباء میں اور رنگ سے ہیں اور درویشوں میں اور رنگ سے ہیں اسیواسطے مولانا فرماتے ہیں ؎ صد ہزاراں دام ودانہ است اے خدا ✢ ما چو مرغانِ حریص بے نوا ✢ دمبدم پابستۂ دام تو ایم ✢ ہر یکے گر باز وسیمرغے شویم ✢ میرہانی ہر دمے مارا وباز ✢ سوئے دامے میرویم اے بے نیاز۔ (اے خدا ہزاروں جال پھیلے ہیں اور ہم بھوکے لالچی پرندوں کیطرح ہیں۔ ہم چاہے باز کیطرح چھوٹے ہوں، یا سیمرغ کیطرح بڑے مگر ہردم نئے جال میں پھنستے ہیں تو تو ہمیں ہر مرتبہ جال سے چھڑا چھڑا دیتا ہے مگر اے اللہ ہم ہیں کہ پھر جال کیطرف جاتے ہیں بسراج) لیکن یہ ضروری امر ہے کہ جو شخص عمل کرتا ہے اور اخلاص کی سعی میں رہتا ہے اسکو غلطی پر تنبیہ ضرور ہوتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ اکثر تنبیہ پر بھی تدارک کرنے سے عار آتی ہے نفس کہتا ہے کہ آئندہ ایسا نکریں گے اور اب تدارک خلاف مصلحت ہے، لیکن یاد رکھو کہ اگر اسوقت تدارک کرلیا جاوے اور علی الاعلان غلطی کا اقرار کرلیا جاوے تو آئندہ کو عمل کی توفیق ہوتی ہے اور تدارک نہ کرنے سے پستی ہوتی جاتی ہے اور توفیق کم ہوتی جاتی ہے یہ تجربہ کی بات ہے ایک دھوکا اور ہوجاتا ہے وہ یہ کہ جب کچھ نشیب وفراز ہوجاتا ہے تو نفس کہتا ہے کہ تمہارے اندر اللہ

کے نام سے لطافت پیدا ہو گئی ہے تمہارے وجدان میں جو کچھ آتا ہے وہ صحیح ہی ہوتا ہے تم سے غلطی نہیں ہوتی سو یہ امر فی نفسہ تو صحیح ہے کہ واقعی مومن کے اندر عمل اور تقویٰ کی بدولت فراستہ صحیحہ پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ آیا ہے کہ اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ (بچے مسلمان کے تاڑ جانے سے بچتے رہو کیونکہ وہ خدا کے نور کو دل میں رکھ کر تاڑتا اور پہچانتا ہے ترجمہ) میں نے سنا ہے کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص آئے انھوں نے مشورہ کیا کہ مجھے مدینہ جانا ہے کس طرف کو جاؤں فرمایا کہ ینبوع کو جاؤ دوسرا ایک اور آیا اسنے بھی مشورہ لیا اسکو فرمایا کہ سلطانی راستہ کو جاؤ سو جسکو ینبوع کے راستہ سے جانے کیلئے فرمایا تھا وہ بھی کسی مصلحت سے سلطانی ہی راستہ کو گیا اور حضرت کے مشورہ پر عمل نہ کیا اسکو ویسے بھی بہت تکلیف ہوئی اور بدوؤں سے بھی سابقہ پڑ گیا اور ان سے الگ تکلیف پہونچی اور جسکو سلطانی راستہ کا مشورہ دیا تھا وہ راحت سے چلا گیا۔ حضرت سے اسکی وجہ دریافت کی گئی کہ آپنے اسکو اس راستہ کا مشورہ دیا اور اسکو دوسرے راستہ کا اسمیں کیا حکمت تھی فرمایا کہ جب پہلا آیا میرے دل میں وہی آیا جو اسکو بتایا اور جب دوسرا آیا میرے دل میں اسوقت یہی آیا جو اسکو مشورہ دیا سو ایسے شخص سے واقعی غلطی کم ہوتی ہے اسی کے مناسب ایک اور حکایت ہے کہ ایک بزرگ کی خدمت میں چند آدمی جو سفر کرنیوالے تھے ملنے اور رخصت ہونے آئے جب وہ جانے لگے تو انھوں نے عرض کیا کہ حضرت ہمکو کچھ وصیت کیجیے ان بزرگ نے فرمایا کہ ہاتھی کا گوشت مت کھانا انھوں نے عرض کیا کہ حضرت ہمکو تو ہاتھی کے گوشت کھانے کا خطرہ بھی نہیں گذرتا یہ آپنے کیوں فرمایا۔ فرمایا کہ میرے منہ سے اسوقت ایسا ہی نکلا واللہ اعلم کیا وجہ ہے وہ لوگ رخصت ہو گئے اتفاقاً راستہ بھول گئے اور ایک بیابان میں پہونچ گئے اور بھوک اور پیاس سے بیتاب ہوئے اتفاقاً ایک ہاتھی کا بچہ سامنے سے دکھائی دیا سبنے اتفاق کیا کہ اسکو کاٹ کر کھانا چاہیے ایک نے انمیں سے منع کیا کہ تمکو کیا حضرت کی وصیت یاد نہیں ہے انھوں نے کچھ پروا نہ کی اور سبنے خوب انکا گوشت کھایا لیکن اس ایکنے نہیں کھایا اور گوشت کھا کر سو رہے کیونکہ تھکے ماندے ہو رہے تھے مگر جسنے نہیں کھایا تھا اسکو نیند نہیں آئی جاگتا رہا تھوڑی دیر میں ایک جماعت ہاتھیوں کی آئی اور انمیں ایک ہتھنی بھی تھی اس ہتھنی نے اپنے بچہ کو تلاش کرنا شروع کیا تلاش کرتے کرتے وہاں بھی آئی جہاں یہ لوگ سوتے تھے اور ان سونیوالوں میں سے ایک کا منہ سونگھا تو اسکو گوشت کی بو آئی اسنے ایک ٹانگ پر پاؤں رکھا اور دوسری سونڈ سے پکڑ کر اسکو چیر ڈالا اسیطرح سب کا کام تمام کر دیا پھر آخر میں اسکے پاس آئی چونکہ اسکے منہ سے بو نہ آئی اسکو سونڈ سے اٹھا کر اپنی کمر پر بٹھا لیا اور ایک جانب کو چلی اور ایک میوہ دار درخت کے نیچے لیگئی اور ٹھہر گئی اسنے خوب سیر ہو کر میوے کھائے اسکے بعد اسکو راستہ پر

چھوڑ آئی ان حضرات کی یہ شان ہو جاتی ہے ؎ گفتۂ او گفتۂ اللہ بود + گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود۔ (اسکا کہنا اللہ کا کہنا ہو جاتا ہے اللہ کا بندہ ہی کہہ رہا ہو) لیکن گفتگو اسمیں ہے کہ تم بھی انہیں ہو یا محض تمہارے نفس کی تسویل ہی ہے ؎

اے مری کردہ پیادہ با سوار + سر نخواہی برد اکنوں ہوش دار + چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش + ہمچو او باگریہ و آشوب باش + ناز را روے بباید ہمچو ورد + چوں نداری گرد بدخوئی مگرد + زشت باشد روئے نازیبا و ناز + عیب باشد چشم نابینا و باز۔ (اے وہ کہ پیدل ہوکر سوار کا مقابلہ کررہے ہو اب تم جان بچا نہیں سکتے لہذا ہوشیار رہو جب تم یوسف نہیں ہو تو یعقوب بنکر رہو یعنی روتے چیختے رہو کیونکہ ناز کرنے کیلئے گلاب جیسا چہرہ چاہئے اگر حسین چہرہ تمہارے نہیں ہے تو بد مزاجی کے پاس بھی مت پھٹکو۔ صورت خراب لیکر ناز کرنا بہت بُرا ہے۔ آنکھیں بے نور ہوں اور کھلی رہیں تو یہ عیب ہے۔ سراج)

پس ناقصین کا اپنے کو کاملین پر قیاس کرنا اور اپنی نفسانی خواہش کو ان حضرات کی فراست و وجدان پر قیاس کرنا سخت غلطی ہے تم کو چاہئے کہ اپنے نفس پر ہر وقت بدگمانی رکھو اگر کسی وقت اس میں خواہش کو مفقود بھی پاؤ تب بھی اسکو نفس مردہ ہرگز جانو اسکی مثال اژدہے کی سی ہے کوئی شخص کسی پہاڑ پر چلا گیا کہ دیکھا کہ اژدہا مردہ پڑا ہے حالانکہ وہ جاڑے کیوجہ سے ٹھٹھر رہا تھا مردہ نہیں تھا اسنے اسکو پکڑ لیا اور شہر میں لایا اور سر مجمع اسکو لیکر بیٹھا تھوڑی دیر میں جو آفتاب نکلا اور اسکو گرمی پہنچی اور افسردگی اسکی جاتی رہی تو اسنے حرکت شروع کی اور لوگوں نے بھاگنا شروع کیا اور سیکڑوں اوپر تلے گر کر ہلاک ہو گئے یہی حال نفس کا ہے کہ اسکے پاس سامان نہیں ہے اسلئے یہ مردہ ہے سامان ہونے پر یہ دیکھنے کے قابل ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

نفس اژدرہاست او کے مردہ است — از غم بے آلتی افسردہ است

(اس نفس کو اژدہا سمجھو یہ مرا نہیں ہے بلکہ شرارت کے سامان نہ پاکر ٹھٹھرا پڑا ہے سراج) ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ دو چار روز ذکر و شغل کیا تہجد پڑھنے لگے سمجھنے لگے کہ ہم ولی کامل ہو گئے اور نفس پر اعتماد ہو جاتا ہے حالانکہ نفس خواہ کیسا ہی ہو جائے مگر اس سے بدگمان ہی رہنا چاہئے جو خیال آوے اور جو عمل کرو پہلے سوچ لو اور غور کر لو کہ اسمیں کوئی آمیزش نفس کی تو نہیں ہے بعض اوقات خلوص کے رنگ میں نفس اپنی خواہش پوری کرتا ہے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو ذکر جہر تعلیم فرمایا اس نے عرض کیا کہ حضرت مجھکو خفی کی اجازت دیدیجئے کیونکہ جہر میں ریا ہو جاتی ہے حضرت نے فرمایا سبحان اللہ اسمیں تو ریا ہوگی اور ذکر خفی میں ریا نہ ہوگی جب آنکھیں بند کر کے بیٹھو گے اور لوگ سمجھیں گے کہ خدا جانے حضرت کہاں کی سیر میں ہیں عرش کی یا کرسی کی اور ذکر جہر میں تو بجز اسکے کوئی بھی کچھ نہ سمجھے گا کہ اللہ اللہ کر رہا ہے سو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے سو ایک وسوسہ نفس تو اسمیں یہ ہوا کہ چھوٹی ریا کو چھوڑ کر بڑی ریا تجویز کی اور دوسری شرارت نفس کی ذکر جہر نہ کرنے میں بعض اوقات یہ ہوتی ہے کہ نفس یہ سمجھتا ہے کہ اگر جہر شروع کیا تو اگر کسی روز آنکھ نہ کھلی تو بھانڈا پھوٹے گا اور فضیحتہ ہوگا دوسروں کو معلوم ہو جائیگا کہ میاں رات نہیں اُٹھے اور خفی میں

کسی کو راز کی خبر ہی نہوگی سب سمجھیں گے کہ خفی کیا کرتے ہیں آج بھی کیا ہوگا تو اس سے رسوائی سے بچے رہیں گے ایک بزرگ کا قول ہے کہ نفس بھی مولوی ہے یعنی بڑے دور کے احتمالات نکالتا ہے ہاں اگر مطمئنہ ہو جاوے اور اسکی خواہش محض خیر ہی خیر ہو تو سبحان اللہ لیکن اعتماد کسی حالت میں نکرنا چاہیئے اکثر اسکی تجویز میں کچھ نہ کچھ مکر ضرور ہوتا ہے ایک بزرگ ایک حجرہ میں عزلت نشین تھے اور ذکر اللہ کیا کرتے تھے اتفاقاً کفار و مسلمین میں مقابلہ پیش ہوا ان بزرگ کے نفس میں خیال آیا کہ چلو جہاد کریں اور شہید ہو نگے پھر سوچا کہ یہ کیا بات ہے نفس نے یہ کیوں تجویز کیا ضرور اسمیں کوئی کید خفی ہی بہت سوچنے سے معلوم ہوا کہ نفس نے اسمیں اپنے لئے نجات سمجھکر یہ بات تجویز کی تھی اور سوچا تھا کہ یہ شخص رات دن مجھکو ستاتا ہے اور میرے سر پر ہر وقت ناگوار امور کے آرے چلاتا رہتا ہے اور طاعات میں ہر وقت مجھکو گھونٹتا ہے اور کسی وقت چین لینے نہیں دیتا شہید ہونے میں ایک دفعہ پاپ کٹ جاویگا اور اس مصیبت سے نجات ہو جاوے گی جب یہ مکر معلوم ہوا تو انھوں نے نفس کو جواب دیا کہ میں تجھکو اس مصیبت سے کبھی نجات ندونگا میں تو تجھکو یہاں حجرہ میں ہی شہید کرونگا بعض لوگو نپر حج فرض نہیں ہوتا اور انکو حج کی ہوس ہوتی ہے اسمیں بھی نفس و شیطان کی یہ تسویل ہوتی ہے کہ ایک نفل کی تحصیل میں بہت سے فرائض برباد ہوتے ہیں کیونکہ بہت لوگ حج کے سفر میں نمازیں چھوڑ بیٹھتے ہیں اور رفقا سے جنگ و جدال اور سب و شتم میں مبتلا ہوتے ہیں اور بعضے اسلئے حج کرتے ہیں کہ حاجی صاحب بنجائیں گے لوگ تعظیم سے پیش آئیں گے ایسے ہی لوگوں کیلئے حضرت مسعود فرماتے ہیں ؎

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید ۰ معشوق دریں جاست بیائید بیائید

یعنی اے قوم حج میں گئی ہوئی تم کہاں ہو تم کہاں ہو۔ معشوق تو یہاں ہے۔ یہاں آؤ یہاں آؤ یعنی محبوب حقیقی کی رضا تو حالات خاصہ میں وطن رہنے میں ہے اس لئے کہ حج تمپر فرض نہیں ہے اور حج نفل ادا کرنے میں بہت سے واجبات و فرائض ترک ہوتے ہیں غرض شیطان ہر شخص کو اسکے مذاق کے موافق دھوکا دیتا ہے تھوڑے روز ہوئے کہ ایک مولوی صاحب میرے پاس آئے انکے نفس نے یہ تجویز کیا تھا کہ نوکری چھوڑ کر اللہ کیواسطے پڑھائیں اسلئے کہ تنخواہ لینے سے خلوص نہیں رہتا میں نے اُن سے کہا کہ یہ شیطانی دھوکا ہے کہ شیطان نے دیکھا کہ دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں انسے یہ کام کسی تدبیر سے چھوڑانا چاہیئے تو اگر یہ کہتا کہ پڑھانا چھوڑ دو تو اسکی ہرگز نہ چلتی اسلئے اسکی وہ صورت تجویز کی جو دینداری کے رنگ میں ہے کہ اسمیں خلوص نہیں ہے نوکری چھوڑ کر پڑھاؤ تو سمجھ لو کہ اب تو پابندی تنخواہ سے بھی کام ہو رہا ہے اور اگر نوکری چھوڑ دو گے تو پابندی تو ہوگی نہیں رفتہ رفتہ پڑھانا ہی چھوٹ جائیگا اور شیطان کامیاب ہوگا اور یہ جو تم کو وسوسہ ہے کہ ہمنے معاوضہ لیلیا ہے خلوص نہیں رہا تو میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تمکو اب چھبیس روپئے ملتے ہیں سو بتاؤ کہ اگر تمکو ننانوے روپئے بلا دیں تو تم اس صورت موجودہ کو چھوڑ کر وہاں چلے جاؤ گے یا نہیں کہنے لگے کہ میں تو ہرگز نہ جاؤنگا میں نے کہا کہ بس معلوم ہو گیا کہ تم روپیہ

کے لئے نہیں پڑھاتے بلکہ اللہ کیواسطے پڑھاتے ہو اور روپیہ گذران کیلئے لیتے ہو دنیا تم کو مقصود نہیں پس خلوص نہونیکا وسوسہ غلط ثابت ہوا اسلئے نوکری ہرگز مت چھوڑو بلکہ میری رائے تو یہ ہو کہ اگر عالم امیر ہو اور تنخواہ ملنے لگے تب بھی اسکو چاہیئے کہ تنخواہ لیکر پڑھائے اگر ایسا ہی امارت کا جوش اُٹھے وہ تنخواہ پھر مدرسہ میں دیدے مگر لیلے ضرور تاکہ پابندی سے کام ہوتا ہے ہمارے فقہا جزاہم اللہ خیرا نے لکھا ہو کہ اگر قاضی امیر کبیر ہو تو اسکو بھی تنخواہ لینا چاہیئے اور وجہ اسکی یہ ہو کہ اگر کوئی قاضی تنخواہ نہ لے اور دس برس تک وہ قاضی رہا اور اسکے بعد کوئی غریب قاضی ہو کر آیا تو اب تنخواہ کا اجرا مشکل ہوگا سبحان اللہ فقہا، کا کیا فہم ہو یہ حضرات حقائق شناس تھے اس شان کا علم و فہم یہ اخلاص و تقویٰ کی برکت تھی مولانا فرماتے ہیں ؎

بینی اندر خود علوم انبیا ٭ بے کتاب و بے معید و اوستا ٭ علم چوں بر دل زنی یارے بود ٭ علم چوں بر تن زنی مارے بود

(پھر تم اپنے اندر استاد کے یا کسی مددگار کی مدد کے بغیر انبیا کے علوم دیکھنے لگوگے اب سمجھ لو کہ علم اگر دل میں رکھوگے تو وہ تمہارا مددگار ثابت ہوگا اور اگر علم کو بدن کے اوپر رکھوگے تو پھر وہی سانپ بن جائیگا) ان حضرات کے خلوص کی یہ کیفیت تھی کہ صاحب ہدایہ جبتک تصنیف تمام نہیں ہوئی روزہ برابر رکھتے تھے اور طرفہ یہ کہ کسی کو روزہ رکھنے کی خبر نہیں ہوئی خدا جانے کتنے سال میں ہدایہ لکھا ہوگا برابر روزہ رکھنا اور کسی کو خبر نہونا کسقدر اخلاص کی بات ہو مردانہ مکان میں بیٹھ کر لکھتے تھے لونڈی مکان سے کھانا لاتی تھی اور رکھ کر چلی جاتی جب کوئی مسافر یا آشنا سامنے سے گذرتا اسکو وہ کھانا دیدیتے لیکن چونکہ مخصوصین سے پردہ نہیں ہوتا اسلئے تحدث بالنعمۃ کے طور پر کبھی کسی سے یہ سب قصہ ذکر فرمایا ہوگا اسلئے ہم تک منقول ہوا اس خلوص کی برکت سے جنکو نور فہم عطا ہوا ہو یہ انکی تحقیق ہو کہ تنخواہ لینے میں مصلحتیں ہیں پس نفس بعض اوقات ان مصلحتوں کے برباد کرنے کیلئے یہ رائے دیتا ہے کہ تنخواہ مت لو غرض شیطان اور نفس ہر شخص کو اسی کے مذاق کے موافق بہکاتا ہو اور فقیہ اور محقق اسلئے شیطان پر گراں ہو کہ وہ اسکے ان مکائد سے واقف ہوتا ہو اور انکو مطلع کرتا ہو حدیث میں ہو فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد یعنی ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہو غرض اکثر شاغل لوگوں کو اس طرح اتباع ہویٰ میں گرفتار کرتا ہو کہ انکو ذوق و شوق وجد و کیفیت و محویت کا طالب بناتا ہو خوب یاد رکھو مقصود ذکر سے قرب ہے اور جس عمل میں مجاہدہ زیادہ ہوگا اسمیں زیادہ قرب ہوگا نفس نے اپنی جان بچانے کیلئے یہ حیلہ نکالا ہو کہ ذوق شوق کی تحصیل میں پڑگیا کیونکہ ذوق شوق ہونے سے پھر اطاعت میں مشقت نہیں ہوتی ہاں ذوق شوق کا بھی ایک وقت ہو اسوقت مربی حقیقی خود عطا فرما دینگے لیکن ابھی وقت نہیں آیا تو اسکی فکر فضول ہو کیونکہ تمہاری تجویز سے مربی حقیقی کی تجویز بہتر ہو مثلاً ایک مریض ہو اسکے لئے حکیم صاحب نے خمیرہ گاؤزبان جواہر والا چاندی سونے کے ورق میں لپیٹ کر تجویز کیا اور ایک دوسرے مریض کے لئے

املتاس لکھا اگر یہ دوسرا مریض ہے کہنے لگے کہ حکیم صاحب عجیب شخص ہیں اسکے واسطے مزیدار مفرح دوا تجویز کی اور میرے واسطے ایسی بدمزہ تو یہ احمق ہے یہ نہیں سمجھتا کہ اسکے اندر سے تو مادہ فاسد نکل چکا ہے اور املتاس کے پیالے پی چکا ہے اب اسکے لئے یہی مناسب ہے، اور میرے اندر ہنوز مادہ فاسدہ موجود ہے وہ بغیر ایسی بدمزہ دوا کے نہ نکلیگا اسلئے یہی مناسب ہے اسطرح مبتدی منتہی کی جو کہ اپنی اصلاح کر چکا ہے حرص کرے اور اپنے کو اسپر قیاس کرے تو اسکی حماقت ہے، عاشق کی تو یہ شان ہونی چاہئے کہ ہر حال میں راضی رہے جیسا فرمایا گیا ہے ؎

خوشا وقت شوریدگانِ غمش + اگر ریش بینند وگر مرہمش + گدایانے از پادشاہی نفور + بامیدش اندر گدائی صبور + دمادم شراب الم درکشند + وگر تلخ بینند دم درکشند۔ (خدا کے غم میں دیوانے لوگوں کا حال بہت اچھا گزرتا ہے چاہے وہ تکلیف دیکھیں چاہے آرام پائیں۔ یہ لوگ ایسے فقیر ہیں جنھیں بادشاہی سے نفرت ہے اور اپنے محبوب کی ملاقات کی امید میں اپنی فقیری پر مست ہیں ہردم یہ رنج و تکلیف کی شراب پیتے ہیں اگر کبھی تلخی اور ناگواری انھیں ہوتی بھی ہے تو چپ رہتے ہیں سراج) حضرت سرمد فرماتے ہیں ؎

سرمد گلہ اختصار می باید کرد + یک کار ازیں دو کار می باید کرد + یا تن برضائے دوست می باید داد + یا قطع نظر زیار می باید کرد (اے سرمد شکایت ختم کرو دو کاموں میں سے ایک کام تمھیں کرنا چاہئے یا تو محبوب کی خوشی حاصل کرنے کیلئے ہمہ تن تیار ہو جاؤ ورنہ پھر محبوب کا خیال چھوڑ دو سراج) ؎ عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن + دل بدست دگرے دادن و حیراں بودن سوئے زلفش نظرے کردن و رویش دیدن + گاہ کافر شدن و گاہ مسلماں بودن۔ (عشق کیا ہے اسکے جواب میں کہو کہ محبوب کا غلام بنے رہنا عشق ہے یعنی دل کا پورا اختیار کسی کے ہاتھ میں دیکر خود حیران اور بے قابو ہو جانا اور کبھی اسکی زلفیں دیکھ دیکھ کر کافر بنجانا اور کبھی اسکا چہرہ دیکھ دیکھ کر مسلمان ہو جانا عشق ہے سراج) اس شعر میں اسلام سے مراد بسط ہے اور کفر سے مراد قبض ہے یعنی قبض و بسط دونوں کو جھیلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون محبوب ہوگا حضور پر تین سال کامل قبض کی کیفیت رہی بارہا ارادہ فرمایا کہ پہاڑ سے نیچے گرا دیں کیونکہ ؎ ذوقے چناں ندارد بے دوست زندگانی بے دوست زندگانی ذوقے چناں ندارد۔ (دوست نہیں تو زندگی میں بھی کوئی لطف نہیں سراج) لیکن سنبھال لئے جاتے تھے پس اگر قبض علامت بُعد ہوتی تو حضور کو کیوں ہوتا جب علامت بُعد نہیں پھر اسپر کاہے کو پریشان ہو امام غزالی جب مدرسہ نظامیہ سے فارغ ہو کر نکلے ہیں تو بہت بڑے عالم ہوئے تین سو علما ان کے ساتھ چلتے تھے ایک مدت تک اسی حالت میں رہے اسکے بعد خدا طلبی کا جوش ہوا اور دل میں آیا کہ سب چھوڑ کر خلوت اختیار کریں ایک مدت امروز فردا میں رہے آخر ایک بار سب ترک کرکے صحرا ر قدس میں جاکے معتکف ہو گئے اور مدت تک سخت مجاہدہ و ریاضت کی اور دس برس تک ان پر قبض واقع رہا اور بجز پوست اور استخوان کے کچھ باقی نہ رہا قریب المرگ ہو گئے بعض آس پاس کے رہنے والے انکی یہ حالت دیکھ کر کسی نصرانی ڈاکٹر کو لائے اور انکی نبض دکھائی اُسنے نبض دیکھکر کہا کہ انکو محبت کا مرض ہے اور محبت بھی مخلوق کی نہیں بلکہ خالق کی ہے جبتک انکو وصل میسر نہ ہوگا شفا نہ ہوگی ؎

قد لسعت حیة الهوی کبدی　　فلا طبیب لها ولا راقی

الا الحبیب الذی شغفت به　　فعنده رقیتی وتریاقی

(عشق کے سانپ نے میرے کلیجہ کو ڈس لیا اب نہ طبیب کام آتا ہے اور نہ جھاڑ پھونک کرنیوالا میرا علاج ہے تو بس اب اس محبوب کے ہاتھ میں ہے جسکا میں دیوانہ ہوں) بیرکہکر امام غزالی چیخ مار کر بیہوش ہوگئے غرض مدتوں کے مجاہدہ وریاضت کے بعد کامل ہوئے اور پھر بغداد میں آئے تو اور ہی شان سے آئے کہ علماء وطلبہ وصوفیہ سب کے امراض روحانی بیان فرماتے تھے اسپر بعض علماء دشمن ہوگئے اور کفر کا فتوی انپر لگایا گیا احیاء العلوم جلائی گئی الحمد للہ یہ سنت امام غزالی کی ہمکو بھی نصیب ہوئی کہ مجھ پر کفر کا فتوی بھی دیا گیا اور میری کتاب بہشتی زیور جلائی گئی حاصل یہ کہ کسی کیلئے ذوق شوق مصلحت ہے کسی کیلئے گھلنا پگھلنا ہی حکمت ہے اسلئے ان خیالات کو چھوڑ کر کام میں لگنا چاہئے غرضکہ مختلف طبقوں میں مختلف قسم کی ہوی پائی جاتی ہے اور کلیات ان سب قسموں کی تین ہیں ایک ہوا متعلق علوم کے دوسرے متعلق اعمال کے تیسرے متعلق امور تکوینیہ کے ہوی علوم کے متعلق جو ہوی ہے اسکا نام بدعت ہے جسکی حقیقت غیر دین کو دین سمجھنا ہے اور بدعات بہت سی ہیں لیکن شب برات جو عنقریب آنیوالی ہے اسکے متعلق کچھ بیان کیا جاتا ہے شب برات میں دو قسم کی بدعتیں ہیں ایک علمی دوسری عملی علمی یہ ہے کہ حلوا پکانے کو ضروری یا مثل ضروری کے جانتے ہیں اور اسکے متعلق مختلف روایتیں گڑھی ہیں بعض کہتے ہیں کہ حضورؐ کا دندان مبارک شہید ہوا تھا اسمیں حضورؐ نے حلوا کھایا تھا بعض کہتے ہیں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ جب شہید ہوئے حضورؐ نے حلوے پر انکی فاتحہ دلائی تھی حالانکہ یہ دونوں واقعے غزوہ احد کے ہیں اور وہ شوال میں ہوا ہے اور شب برات شعبان میں ہوتی ہے تو یہ عقل کے بھی خلاف ہوا اور نقلا بالکل بے اصل ہی ہے بعضے کہتے ہیں کہ شب برات میں روحیں آتی ہیں لیکن ظاہر ہے کہ روحوں کا آنا یا تو مشاہدہ سے ثابت ہوگا اور یا وحی سے تو مشاہدہ تو ظاہر ہے کہ نہیں ہے رہگئی وحی سو وحی سے بھی کہیں ثابت نہیں بلکہ وحی تو اسپر دال ہے کہ روحیں یہاں نہیں آتیں اللہ تعالی فرماتے ہیں ومن ورائهم برزخ الی یوم یبعثون حاصل یہ کہ روح اور اس عالم کے درمیان قیامت تک کیلئے ایک پردہ ہے جو اسکو اسطرف نہیں آنے دیتا ہاں اگر خرق عادت کے طور پر بعض کو اجازت ہوجائے تو وہ دوسری بات ہے جیسے شہداء کو تو یہ آنا بطور کرامت کے ہوگا لیکن کرامت دائمی یا اختیاری نہیں ہوتی اور وہ جو اختیاری ہوتا ہے اسکا نام تصرف ہے کیونکہ کرامت تو یہ ہے کہ اللہ تعالی اپنے کسی ولی کا کسی طور سے بذریعہ کسی خارق کے اعزاز ظاہر فرمادیں اسی لئے بعض دفعہ صاحب کرامت کو بھی کرامت کی خبر تک نہیں ہوتی ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ کسی شخص نے بادشاہ سے انکے متعلق کچھ کہدیا بادشاہ نے انکو طلب کرکے اپنے سامنے بلایا اور جو سوال انسے بادشاہ (ابو بکر شبلی) کرتا تھا براہ جرأت وہی سوال وہ بزرگ کرتے تھے حتی کہ آخر میں بادشاہ نے کہا کوئی ہے ان بزرگ نے بھی فرمایا کہ کوئی ہے اسیوقت ایک شیر غراتا ہوا ایک گوشہ سے نمودار ہوا بادشاہ اور سب بھاگے سب کیساتھ یہ بھی بھاگے جیسے جب موسی علیہ السلام کو حکم ہوا کہ عصا کو ڈالدو اور ڈالنے

سے اژدہا ہوگیا تو موسیٰ خود ڈر گئے اگر اختیاری فعل ہوتا تو خوف نکرتے غرضکہ کرامت اختیاری اور دائمی نہیں ہوا کرتی اور تصرفات اختیاری روح کیلئے کسی دلیل سے ثابت نہیں اور بلا دلیل اعتقاد جائز نہیں کہ خلاف ہے قال اللہ تعالیٰ ولا تقف ما لیس لک بہ علم بعض کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی اس رات میں ایصال ثواب نکرے تو روحیں کوستی ہوئی جاتی ہیں خوب یاد رکھنا چاہئے کہ مردہ کو ایصال ثواب کرنا یہ نفل ہے اور نفل کے چھوڑنے پر ملامت کرنا یا بددعا کرنا گناہ ہے اس عقیدہ سے تو لازم آتا ہے کہ مردہ بھی گناہ کرتا ہے حالانکہ مرنیکے بعد انسان گناہ نہیں کرسکتا کیونکہ اسوقت تو کشف عطا ہو جاتا ہے غرض یہ سب امور بے اصل ہیں شب برات میں صرف تین امر حدیث سے ثابت ہیں اول یہ کہ اس شب میں قبرستان میں جاکر اموات کیلئے دعا کریں اور انکو پڑھکر بخشیں لیکن گروہ بنکر جانا نہ چاہئے بلکہ کیفما اتفق اپنے اپنے طور پر جاوے اور سنت میں اسیقدر منقول ہے مگر چونکہ اسکی غرض ایصال ثواب تھا مردہ کیلئے اسپر دوسرے طرق کو قیاس کرسکتے ہیں کہ عبادت مالیہ کا بھی کچھ ثواب پہنچا دیں پس اگر کچھ کھانا وغیرہ بلا قید حلوے وغیرہ کے پکا کر ایصال ثواب کریں تو مضائقہ نہیں دوسرے یہ کہ پندرہویں شب کو عبادت کریں تیسرے یہ کہ پندرہ تاریخ کو روزہ رکھیں پس یہ سب امور مستحسن ہیں باقی سب خرافات ہیں جسوقت میں یہ رسوم ایجاد ہوئے ہونگی ممکن ہے کہ اسوقت کوئی مصلحت ہو لیکن اب چونکہ انکو ضروری سمجھنے لگے ہیں اسلئے اگر کوئی مصلحت بھی ہوتی تب بھی بوجہ مفسدہ کے اس مصلحت کا اعتبار نہ کیا جاتا جیسا فقہی قاعدہ ہے کہ امور غیر مقصودہ شرعاً میں دفع مفسدہ کے لئے مصلحت کو ترک کر دیتے ہیں اسلئے اب وہ واجب الترک ہیں اور اگر وہ بزرگ جو اسکے موجد ہیں اب زندہ ہوتے تو یقیناً ان رسوم کو وہ خود بھی منع کرتے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کے بعض عادات کو جو کسی مصلحت سے تھی اور ضروریات دین سے نہیں تھیں منع فرما دیا تھا جیسا عورتوں کا جماعات و مساجد میں آنا سو اگر ہم بھی پہلے بزرگوں کی ان رسوم روک دیں تو کیا حرج ہے علماء کا یہی کام ہے کہ زمانہ کے رنگ اور ہوا کو دیکھتے ہیں زمانہ کے بدلنے سے اس قسم کے احکام ورنہ کہ تمام احکام ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں بقراط کے مطب کے نسخے اگر کوئی طبیب آجکل برتے تو ہرگز نفع نہ ہوگا بلکہ ضرر ہونیکا احتمال ہے حاذق طبیب نسخہ وہ تجویز کرتا ہے کہ مریض کے مزاج اور اسوقت کی آب و ہوا کے موافق ہو البتہ قواعد وہی ہیں جو متقدمین نے مدون کئے ہیں حاصل یہ کہ حلوے اور آتشبازی وغیرہ سب خرافات ہے اسکے علاوہ ایک اور التزام کر رکھا ہے کہ اس روز مسور کی دال بھی ضرور پکتی ہے معلوم نہیں حلوے اور مسور کی دال کا کیا جوڑ ہے ایک مناسبت تو دونوں میں معلوم ہوتی ہے کہ حلوے اور مسور کی دال کیلئے دو ضرب المثل ہم معنی بولے جاتے ہیں چنانچہ کہا ہی جاتا ہے حلوا خوردن را روئے باید اور یہ بھی ہماری زبان میں بولتے ہیں یہ منہ اور مسور ع کی دال اسکے سوا اور کوئی مناسبت تو سمجھ میں آتی نہیں ایک اعتقاد بعض لوگوں کا شب برات کے متعلق یہ ہے کہ جو مردہ اس سال میں مرتا ہے وہ مردوں میں شامل نہیں ہوتا جب تک اسکو شب برات سے ایک روز پہلے حلوا دیکر مردوں میں شامل نکیا جاوے اسکا نام رکھا ہے عرفہ۔ ان تمام تر اعتقادات کے موجد یہ مسجد کے ملاں ہیں انھوں نے ایسی ایسی ایجادیں کی ہیں جسمیں آمدنی ہو

ع لطیفہ: میرے ایک دوست نے اسی مثل کی ایک عجیب اصل بیان کی کہ یہ اصل میں اس طرح ہے یہ منہ اور منصور کی دار یعنی انا الحق کہنے کا ہر ایک کا منہ نہیں واللہ اعلم ۱۲ منہ ع شب برات کا حلوہ پٹاخہ روافض نے امام غائب کے استقبال میں نکالا ہے۔

ان ملانوں کی حرص اسقدر ہوتی ہے کہ انکو جائز ناجائز کی بھی کچھ تمیز نہیں ہوتی انکی بدنیتی اور حرص پر حکایت یاد آئی ایک
بھانڈنے دوسرے سے پوچھا سب سے بہتر فرقہ کون ہے، اور سب سے بدتر کون ہے، تو اُسنے جواب دیا کہ سب سے بہتر فرقہ تو ہمارا ہے کہ ہمیشہ خوشی
ہی مناتے ہیں کہ خدا کرے کسی کے یہاں شادی ہو اور ہماری پوچھ ہو اور سب سے بدتر فرقہ مسجد کے ملانوں کا ہے کہ ہمیشہ غمی مناتے ہیں کہ
کوئی مرے تو ہمکو کچھ ملے واقعی اس فرقہ کی یہی حالت ہے اگر کوئی موٹا سا آدمی بیمار ہوتا ہے اور ان ملانوں سے کہا جاوے کہ دعا کرو کہ اللہ تعالے
اسکو صحت دے تو ہرگز دل سے دعا نکرینگے بلکہ دل سے یہ چاہینگے کہ یہ مرے تو اچھا ہے تاکہ ہماری مونچھیں تر ہوں یہ تیجہ برات کا حلوا
اور محرم کا کھچڑا سب انھیں اکّالین کی ایجاد معلوم ہوتا ہے اسی لئے ایصال ثواب میں ایسی بخیں لگائی ہیں کہ بغیر انکے کوئی کچھ کسی
کو دے ہی نہ سکے مثلاً کھانا یا پانی کھلنے والوں سامنے رکھ کر پنج آیت وغیرہ پڑھنا کہ عوام تو خود پڑھنا نہیں جانتے لامحالہ ان ہی کو بلا دیں
گے اور جب بلا دینگے تو حصہ بھی ضرور ملیگا اسیواسطے میں کہا کرتا ہوں کہ جہاں بدعات سے منع کرنیمیں لوگوں کو وحشت ہو تو
یوں کہنا چاہیئے کہ تم سب کچھ کرو مگر ان ملانوں کو کچھ مت دو اللہ کیواسطے فاتحہ دلوایا کرو پھر دیکھ لینا یہی لوگ بدعات کو
منع کرنے لگیں گے کیونکہ ملنا ملانا تو کچھ رہیگا نہیں اور فاتحہ کیلئے جگہ جگہ سے گھسیٹے جاوینگے بدعات خود چھوٹ جاوینگی
دوسری قسم ہوئی کہ متعلق اعمال کے ہے یعنی کوئی عمل کسی غرض فاسد مثلاً جاہ مال وغیرہ کیلئے کیا جاوے جیسا کہ اوپر مفصل اسکے
متعلق بیان ہو چکا ہے تیسری قسم ہوئی کی متعلق احکام تکوینیہ کے ہے احکام کی دو قسمیں ہیں ایک احکام تکلیفیہ تشریعیہ
جیسے روزہ نماز زکوٰۃ وغیرہا دوسری قسم تکوینیہ احکام تکوینیہ احکام وہ ہیں جو قضا و قدر کے متعلق ہیں مثلاً بارش ہونا
یا نہ ہونا مفلس ہونا یا غنی ہونا وغیرہ وغیرہ اسکے متعلق جو ہوی ہے اسکا نام رائے ہونا مناسب ہے گو لفظ رائے عام ہے
مگر بہ نسبت بدعت وغیرہ کے یہ لفظ اسکے زیادہ مناسب ہے غرض یہ کہ ان احکام میں بھی لوگ اپنی خواہش نفسانی کے
موافق رائے لگاتے ہیں مثلاً آجکل بارش نہیں ہوئی ادب کی بات تو یہ ہے کہ دعا کریں گناہوں سے استغفار کریں یہ تو ہوتا
نہیں بلکہ رائے لگایا کرتے ہیں کہ صاحب اگر ساون اُتر گیا تو بس کھیتی گئی اُن سے کوئی پوچھے یہ مشورہ کس کو سناتے ہو
ہمکو سنانا تو بیکار ہے کوئی نفع ہی نہیں اسلئے کہ ہمارے قبضہ کی تو بات نہیں اور خدا تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ ہیں انکو
ہر امر کی اطلاع ہے انکو بھی سنانا مقصود نہیں تو بس یہ محض اعتراض ہوا اور خدا تعالیٰ کو رائے دی کہ بارش ہونا چاہیئے اللہ اکبر
کیسی سخت بے ادبی اور گستاخی ہے حق تعالیٰ کی حاکمیت اور حکومت کا مقتضا تو یہ تھا کہ اگر انکا اذن نہ ہوتا انکے سامنے
درخواست کے طور پر زبان ہلانا بھی روا نہوتا اور دعا کرنیکی بھی اجازت نہ ہوتی چہ جائیکہ اعتراض کرنا اور رائے اور مشورہ
دینا انکی شان تو یہ ہے ؎ ہست سلطانی مسلّم مرورا ✤ نیست کس را زہرۂ چون و چرا - (بادشاہی کی شان تو صرف
اللہ ہی ہے اور مانی ہوئی ہے کہ کسی کو اسکے کام میں پوچھنے اور اعتراض کرنے کی مجال نہیں سراج) خود فرماتے ہیں قل فمن یملک
من اللہ شیئاً ان اراد ان یہلک المسیح ابن مریم وامہ ومن فی الارض جمیعا وللہ ملک
السموات والارض وما بینہما یعنی آپ فرما دیجئے کہ کون اختیار رکھتا ہے خدا تعالیٰ کیسامنے کچھ بھی اگر

وہ مسیح بن مریم اور انکی والدہ اور تمام دنیا بھر والوں کو ہلاک کرنا چاہیں اور آسمانوں اور زمین کی اور انکی درمیانی چیزوں کی سلطنت خدا ہی کیلئے ہے اور بعضے ایسے بیباک ہوتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جوان مرجاتا ہے تو کہتے ہیں کہ اسکی عمر تو مرنے کی نہ تھی کچھ دنوں اور زندہ رہتا تو اچھا تھا۔ دوسرے صاحب آتے ہیں وہ کہتے ہیں ارے میاں خدا کے سامنے کسکی مجال ہے کہ کچھ بولے یہ بات فی نفسہ تو صحیح ہے مگر مطلب ان جہلاء کا تو اس سے یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کا مرنا ہے تو بے موقع لیکن نعوذ باللہ اگر خدا تعالیٰ بے موقع کام ہی کرے تو اسکے سامنے کون دم مار سکتا ہے گویا نعوذ باللہ حق تعالیٰ کے یہاں بڑی بے انتظامی ہے مصلحت پر نظر نہیں ہے اسکے مرنے کے دن نہ تھے اسکو موت دیدی یاد رکھو کہ یہ نہایت ہی بے ادبی اور گستاخی ہے حق تعالیٰ جو کچھ کرتے ہیں وہی مصلحت اور حکمت ہے ع ہرچہ آں خسرو کند شیریں بود۔ (وہ بادشاہ جو کچھ بھی کرے سب ٹھیک ہے۔ مرآج) ایک بزرگ ایک جنگل میں خلوت گزین تھے ایک روز بارش ہوئی وہ کہنے لگے کہ سبحان اللہ کیا موقع پر بارش ہوئی غیب سے آواز آئی او بے ادب اور بے موقع کس روز ہوئی تھی دیکھئے بزرگوں کو ایسی ذرا سی بھی جسمیں ایہام بعید گستاخی اور بے ادبی کا ہو ڈانٹا جاتا ہے مقربان را بیش بود حیرانی مگر ہم لوگ تو شب و روز کھلم کھلا بے ادبیاں ہی کر رہے ہیں غرض حکومت اور حکمت کا مقتضا تو یہ تھا کہ ہمکو دعا کی بھی اجازت نہوتی مگر ہمارے ضعف کو دیکھکر دعا کی اجازت دی یہ غایت رحمت ہے اور پھر اس اجازت کی اس طور سے تکمیل فرمائی کہ ہمکو مغیبات کی خبر نکی ورنہ اگر خبر ہوجاتی تو ہرگز دعا نہ کرسکتے کہ ایک گونہ صورت مزاحمت کی تھی قدر کیساتھ مثلاً اگر مکشوف ہوجاتا کہ بارش فلاں دن تک نہوگی اور بعد میں ہوگی تو دعا کیسے کرتے اور جب دعا نکرتے تو حق تعالیٰ کی ایک خاص ہمکلامی کی دولت سے محروم رہتے اس سے معلوم ہوا کہ احکام تکوینیہ کا مکشوف نہونا بھی رحمت ہے البتہ احکام تکلیفیہ میں مکشوف ہونا اور معلوم ہونا ہی رحمت ہے حاصل یہ کہ بڑی رحمت ہے کہ ہمکو دعا کی اجازت ملگئی حکام مجازی سے بات کرنے میں لوگ سیکڑوں روپیہ خرچ کر ڈالتے ہیں اور محبوبان مجازی سے دو باتیں کرنیکے لئے سب کچھ دے بیٹھتے ہیں اور پھر بھی کامیاب نہیں ہوتے اور احکم الحاکمین اور محبوب حقیقی کے یہاں نہ فیس ہے نہ کسی زبان کی قید ہے نہ وقت کی قید ہے نزدیک دور اندھیرے اجالے جسوقت چاہو ہمکلام ہو اور دعا کرو اس سے زیادہ کیا رحمت ہوگی پھر حکام مجازی اور محبوبان مجازی زیادہ بولنے سے ناخوش ہوجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میاں کیوں جان کھاتے ہو اور حاکم حقیقی درخواست اور دعا نکرنے سے ناخوش ہوتے ہیں اور جو زیادہ دعا کرے اس سے زیادہ خوش ہوتے ہیں حدیث ہے ان اللہ یحب الملحین فی الدعاء یعنی بیشک اللہ تعالیٰ دعا میں اصرار کرنیوالوں کو محبوب رکھتے ہیں پس دعا بڑی نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی میسر ہوتی ہے مولانا فرماتے ہیں ؎ از دعا نبود مراد عاشقاں + جز سخن گفتن باآں شیریں زباں۔ (دعا سے عاشقوں کی مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ اس محبوب سے کچھ باتیں کرلیں۔ مرآج) حاصل یہ کہ اتباع ہویٰ کی تین قسمیں ہوئیں بدعت جو متعلق علوم اور عقاید کے ہے دوسری معصیت جو متعلق اعمال کے ہے تیسری قسم

رائے جو احکام تکوینیہ کے متعلق ہو اور ہر ہوا میں یہ خاصیت ہے کہ راہ مستقیم سے ہٹا دیتی ہے لقولہ تعالیٰ فیضلک عن
سبیل اللہ (یعنی اللہ کی راہ سے ہٹا دے گی) یہ ہویٰ اعلیٰ درجہ کی ہے یعنی کفر و شرک تو اسلام ہی سے خارج کر دیتی ہے اور جو
ادنیٰ درجہ کی ہے وہ کمال اتباع سے ڈگمگا دیتی ہے، تو یضلک عن سبیل اللہ دونوں کو شامل ہے کیونکہ ضلال کے مراتب
مختلف ہیں مولانا فرماتے ہیں ؎ با ہوا و آرزو کم باش دوست ٭ چون یضلک عن سبیل اللہ اوست ٭ تا ہوا تازہ ست ایمان تازہ نیست
چون ہوا جز قفل آں دروازہ نیست ٭ تازہ کن ایمان نہ از گفت زباں ٭ اے ہوا را تازہ کردہ در نہاں (دل کی خواہش کو دوستی
نہ کرنا کیونکہ خدا کی راہ سے ہٹانیوالی چیز یہی ہے جبتک دل کی خواہش دل میں تازہ رہے تو ایمان کو تازہ نہ سمجھ کیونکہ یہ خواہش ایمان کے دروازہ کا قفل ہے اور ایمان
ہی کو بند کر دیتی ہے پس ایمان کو تازہ کر لیا کرو مگر نہ وہ شخص جو دل میں تو خواہش کو بھرے ہوئے ہے محض زبان سے ایمان تازہ کرنا کافی نہیں ہے۔ مترجم) ایک بات
رہ گئی کہ اسکا علاج کیا ہے سو علاج اسکا منصوص میں تو اتباع وحی ہے اور غیر منصوص میں اتباع ان حضرات کا ہے جنہوں نے اپنے کو فنا کر دیا ہے
مولانا اشعار مذکورہ کے بعد فرماتے ہیں ؎ دین ہوا را بشکند اندر جہاں ٭ ہیچ چیزے ہمچو سایہ ہمرہاں ٭ یار باید راہ را تنہا مرو
بے رفیقے اندریں صحرا مرو (اس خواہش کو اس دنیا میں سوا سایہ یعنی پیر و مرشد کے کوئی چیز توڑنے والی نہیں ہے راہ میں ساتھی ضروری ہے اکیلے چلنا
مناسب نہیں ہے اس جنگل میں بغیر رہنما کے نہ چلا کرو۔ مترجم) یہاں شبہ ہو سکتا تھا کہ بے اتباع بھی تو بعضے بزرگ واصل ہوگئے ہیں مولانا اسکا
جواب دیتے ہیں ؎ ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را برید ٭ ہم بعون ہمت مرداں رسید (جس کسی تنہا نے کبھی اس راہ کو طے بھی کیا
ہے تو وہ بھی کسی ولی اللہ کی باطنی توجہ کی مدد سے طے کیا ہے۔ مترجم) اس میں اس شبہ کے دو جواب دیئے ایک تو یہ کہ بے اتباع کے پہنچنا
نادر ہے اور نادر پر حکم کرنا اور اسکو قاعدہ بنا لینا اور اسکے بھروسہ رہنا صحیح نہیں ہے۔ فرض کرو کوئی شخص مفلس ہو نہ اسکو کھانے کو ملتا ہو
نہ پہننے کو میسر ہوتا ہو اور اہل و عیال رکھتا ہو نہایت دق ہو کر خودکشی کرنیکا ارادہ کرے اور اسکے لئے کنواں کھودے کہ اسمیں ڈوب کے
مر جاؤنگا یا زندہ در گور دفن ہو جاؤنگا وہ کھود ہی رہا تھا کہ وہاں ایک ہنڈیا اشرفیوں سے لبالب نکل آئی اب اسطرح ہنڈیا ملجانا
اتفاقی بات ہے اسپر کوئی قیاس کرکے چاہے کہ میں بھی کنواں کھود کر ہنڈیا نکال لوں یہ اسکا محض خیال خام ہوگا اسیطرح اگر
کوئی شاذ و نادر بے اتباع شیوخ واصل ہوگیا تو اسپر اپنے کو قیاس کر لینا اور اسکو قانون بنا لینا بڑی غلطی ہوگی۔ دوسرا جواب
یہ دیا کہ اے معترض تجھکو دھوکا ہوا ہے جنکو تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ بغیر اتباع کے پہنچے ہیں وہ بھی بغیر واسطے مردان خدا کے نہیں پہنچے
اسلئے کہ مردان خدا کے فیوض دو قسم کے ہیں ایک بلا اطلاع اور بے طلب طالب کے اور دوسرے طلب سے اور اتباع سے
اور جو بلا اطلاع اور بے طلب طالب کے فیض ہوتا ہے اسکی بھی دو قسم ہیں ایک وہ جو باختیار ان حضرات کے ہو جیسے دعا کرنا
اور توجہ و ہمت لوگوں کے حال پر مبذول کرنا دوسرے وہ جو بلا اختیار اور بلا اطلاع ان حضرات کے ہو صرف انکے وجود
باجود سے وہ فیض بلا انکے اختیار کے ہر ایک کو پہنچتا ہے اسکی ایسی مثال ہے جیسے آفتاب جب طلوع ہوتا ہے تو جہاں جہاں
اسکی شعاعیں پہنچتی ہیں سب کو نفع پہنچتا ہے مگر شمس کو اطلاع بھی نہیں ہوتی پس جنکی نسبت یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ بلا
اتباع پہنچے ہیں تو یہ محض غلط خیال ہے وہ بھی مردان خدا کے فیض باطنی اختیاری سے جیسے دعا و ہمت یا غیر اختیاری

سے داصل ہوگئے ہیں اور اس قسم کا فیض بڑوں سے ہوتا ہے بعض دفعات چھوٹوں سے بھی ہوتا ہے امت محمدیہ کا عجیب حال ہے کہ ان میں ہر ایک سے فیض ہوتا ہے اور یہ اسواسطے ہے تاکہ بڑوں کو کبر نہو کہ ہم چھوٹوں کے محتاج نہیں ہیں انکا حال تو وہ ہے کہ کسی عورت کے کئی بیٹے تھے اس سے پوچھا تھا کہ انمیں کون افضل ہے اسنے کہا کہ ہم کالحلقۃ المفرغۃ لا یدری این طرفاھا جیسے خالی دائرہ کہ یہ نہ معلوم ہو کہ اسمیں لکیر کے دو کنارے کہاں ہیں غرض کسی میں کوئی بات کم ہے تو دوسری بات زیادہ ہے جیسے آئینہ ایک سرخ ہو ایک زرد ایک سبز ہو اور سب ایک دوسرے کے مقابل رکھے ہوں تو ہر ایک کا عکس دوسرے میں پڑتا ہو ایسی ہی حالت اس امت مرحومہ کی ہے اور جماعت کی نماز میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ایک کو دوسرے سے نفع پہنچے اور نیز جماعت میں کوئی تو مقبول ہوگا اسکی وجہ سے کیا عجب ہے سب کی نماز مقبول ہو جاوے بعض برکات ایسے شخص سے پہونچتے ہیں جسپر گمان بھی نہیں ہوتا ایک شخص رہزنی کا پیشہ کیا کرتا تھا حق تعالی نے اسکو ہدایت فرمائی وہ ایک بزرگ سے بیعت ہوگئے اور انکے حلقہ خدام میں شامل ہو کر ذکر و شغل میں مشغول ہو گئے سب لوگ انکو رہزنی کیوجہ سے حقیر سمجھا کرتے تھے ایک روز ایک شخص نے ان بزرگ کی مع سب مریدین کے دعوت کی جب اس شخص کے مکان پر سب چلے تو سب کے اوپر ایک ابر نے سایہ کر لیا اور آفتاب کی تمازت سے بچ گئے پیر سمجھے کہ یہ میری برکت کا فیض ہے اور بھی بڑے بڑے خلفا مرید تھے وہ اپنی کرامت سمجھے اور اس رہزن کو تو خیال تک بھی نہ تھا اسلئے کہ جانتا تھا میں سیہ کار گنہگار ہوں جب وہاں سے دعوت کھا کر واپس ہوئے تو ابر پھر بھی موجود تھا سب سے پہلے اس رہزن کا راستہ پھٹا اور یہ انسے الگ ہو کر اپنے راستہ پر ہوا اسوقت وہ ابر انکے ساتھ چلا اور پیر صاحب مع دیگر مریدین سب دھوپ میں رہگئے تب سب کو معلوم ہوا کہ یہ انکی برکت تھی حق تعالی کو اسکی تواضع اور عجز پسند آیا اسکی یہ برکت ہوئی حضرت حاجی صاحب قبلہ فرمایا کرتے تھے کہ میاں ہم اس نیت سے بیعت کر لیتے ہیں کہ وہ زور ہوگا تو ہمکو لیجاویگا اور اگر ہم زور ہونگے تو اسکو لیجاوینگے ؎

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف ... گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف

(قسمت نے اگر مدد کی تو میں اسکا دامن پکڑ لوں گا اب اگر اسنے مجھے کھینچ لیا تو بھی خوشی کی بات ہے اور اگر میں اسے کھینچ لوں تو بھی معراج)

جو مشائخ اہل ادراک ہیں وہ رات دن دیکھتے ہیں کہ مریدین سے انکو کیا کیا فیض ہوئے لیکن انسے کہتے اسلئے نہیں کہ کہیں انکا دماغ نہ بگڑ جاوے اور عجب و کبر کی بلا میں مبتلا نہ ہو جاویں غرض یہ کہ جب چھوٹوں سے فیوض پہنچتے ہیں تو اپنے اکابر سے استغنا کرنے کی گنجائش نہیں اسلئے کسی اہل اللہ کا اتباع کرنا یہ علاج اعظم ہے اتباع ہوی کا خلاصہ یہ کہ اتباع شریعت اور اہل اللہ کے پاس رہنا اور انکا اتباع اختیار کرنا اس سے انشاء اللہ ہوائے نفسانی سے نجات ہو جاوے گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔